وجہِ دین

حصّہ اوّل

از:
حکیم پیر ناصرِ خسرو ق س

مترجم:
علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

خانۂ حکمت
ادارۂ عارف

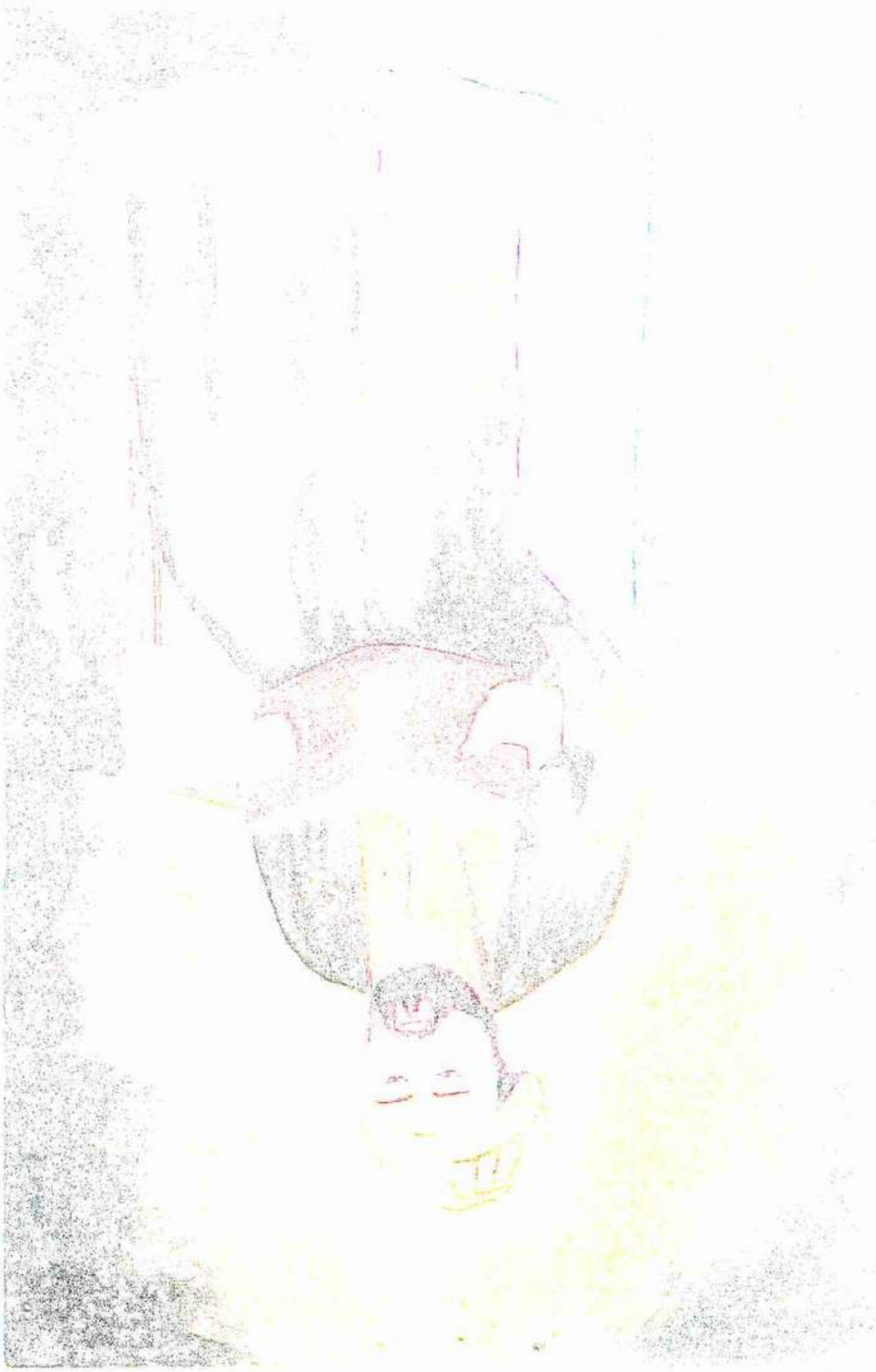

QAZI ABBAS BORHANY
MUSHIRE FIQAH, FED. SHARIAT COURT
ADVOCATE & LEGAL CONSULTANT
3RD FLOOR, ROOM 18, 19 AL-YUSUF CHAMBERS
NEW CHALI, SHAHRAH-E-LIAQUAT,
KARACHI - PAKISTAN

وجہِ دین

حصّہ اوّل

از حکیم پیر ناصر خسرو ق س

مترجم: علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

خانۂ حکمت ٭ ادارۂ عارف
۳۔ اے۔ نور ویلا۔ گارڈن ویسٹ۔ کراچی۔

فہرستِ مضامین

شمار	مضمون	صفحہ
۱	پیش لفظ	ح
۲	حمد و سپاس	۱
۳	آغازِ کتاب	۴
	کلام — ۱	
۴	امام علیہ السّلام ہر زمانے میں لوگوں پر حق تعالیٰ کی حُجّت ہیں	۱۰
۵	**مباحثہ**	۱۴
	کلام — ۲	
۶	امامت کے تمام دعویداروں میں سے امام برحق کی نشاندہی	۱۹
	کلام — ۳	
۷	عِلم، یعنی دانش کے بارے میں	۴۲
	کلام — ۴	
۸	لطیف رُوحانی عالم کے بارے میں	۴۴

	کلام — ۵	
۹	بہشت، اس کا دروازہ اور اس کی کلید	۵۴
	کلام — ۶	
۱۰	عالمِ جسمانی کی حقیقت	۶۲
	کلام — ۷	
۱۱	دوزخ اور اس کے دروازے کے بارے میں	۶۷
	کلام — ۸	
۱۲	پیغمبروں کے بھیجے جانے کی واجبیّت	۷۹
	کلام — ۹	
۱۳	قرآن اور اس کی تاویل	۸۷
۱۴	مباحثہ	۹۰
	کلام — ۱۰	
۱۵	کتاب اور شریعت کے ظاہر و باطن	۱۰۲
	کلام ۱۱	
۱۶	کلمۂ اخلاص	۱۱۲
۱۷	اعداد کی قسمت اوّل کی توضیح	۱۱۹
۱۸	کلمۂ اخلاص کی مطابقت و موافقت حساب، عالمِ دین اور عالمِ جسمانی کے ساتھ	۱۲۱

۱۹	دائرۂ عقل	۱۳۸
	کلام — ۱۲	
۲۰	سورۂ اخلاص کے بارے میں	۱۵۹
۲۱	فصل	۱۶۴
	کلام — ۱۳	
۲۲	تعوّذ کی تاویل	۱۷۱
	کلام — ۱۴	
۲۳	تسمیہ کی تاویل	۱۷۷
	کلام — ۱۵	
۲۴	طہارت اور اس کے آداب کے بارے میں	۱۸۷
۲۵	فصل (۱) : نیند کی وجہ سے طہارت ٹوٹ جانے کے بارے میں	۱۸۸
۲۶	فصل (۲) : طہارت سے پہلے نیّت کرنے کی تاویل	۱۸۹
۲۷	فصل (۳) : سات اعضا کی طہارت کی تاویل	۱۹۰
۲۸	فصل (۴) : معراج کے بعد بعض شرعی امور میں ترمیم کا سبب	۲۰۱
۲۹	فصل (۵) : نماز کے لئے خواب سے جگانے کی تاویل	۲۰۴
	کلام — ۱۶	
۳۰	جنابت سے نہانے کے بارے میں ،	۲۰۵
	کلام — ۱۷	

۳۱	مٹی سے تیمّم کرنے کے بارے میں ،	۲۰۸
	کلام-۱۸	
۳۲	اذان کی تاویل کے بارے میں ،	۲۱۳
	کلام - ۱۹	
	کتابُ الصَّلوٰۃ	۲۲۰
۳۳	پہلی فصل : —— نماز کے بارے میں	۲۲۰
۳۴	فصل (۲) : —— نماز کی حدُود کے بارے میں	۲۲۳
۳۵	فصل (۳) : —— نماز کے فرائض کے بارے میں	۲۲۴
۳۶	نماز کے سات فرائض، سات امام اور مومن کی سات منزلیں	
۳۷	فصل (۴) : —— نماز کی سُنّتوں کے بارے میں	۲۲۶
۳۸	فصل (۵) : —— خضوع کے بارے میں	۲۲۸
۳۹	فصل (۶) : —— نماز کے اوقات کے بارے میں	۲۳۰
۴۰	فصل (۷) : —— نمازوں کو ملا کر پڑھنے کے بارے میں	۲۳۱
۴۱	فصل (۸) : اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ دینے کے بارے میں	۲۳۴
۴۲	فصل (۹) : حج یا جہاد کے موقع پر نماز میں قصر (کمی) کرنے کے بارے میں	۲۳۵
۴۳	فصل (۱۰) : —— بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں	۲۳۶
۴۴	حکایت (رسُولؐ اور اصحاب نے بیٹھ کر نماز پڑھی)	۲۳۷
۴۵	حکایت (اُمّ الکتاب کا قصّہ)	۲۳۹

۴۶	کلام — ۲۰ ان تاویلات کے بارے میں جو پنج وقتی نمازوں، اس کی رکعتوں کی تعداد اور اس کے اوقات میں ہیں	۲۴۱
۴۷	تفہیمِ نور	۲۶۱
۴۸	مدارجِ اطاعت	۲۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

بنامِ آنکہ دارای جہانست — خداوندِ تن و عقل و روانست
خرد از دراکِ او حیران بماندہ — دل و جان در رہش بی جان بماندہ
بہر وصفی کہ گویم زان فزونست — زہر شرحی کہ من دانم برونست

(حکیم ناصر خسرو قدس اللہ سرّہ)

قارئینِ کرام سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ حضرت سیّدنا پیر شاہ ناصر خسرو علوی (قدس اللہ سرّہ العزیز) حجّتِ خراسان و بدخشان (منجانب مولانا الامام المستنصر باللہ علیہ السّلام) ان باکرامت اسماعیلی پیروں اور بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے زمانے میں خورشیدِ امامت کے نورِ ہدایت سے بالعموم اہلِ جہاں کو بالخصوص اسماعیلی عالم کو اس طرح مستفیض فرمایا، جس طرح چاند اور ستارے سورج کی مادّی روشنی سے اس جہان کو مستفیض کرتے رہتے ہیں۔ اُن باعظمت و جلالت بزرگوں کے اکثر علمی آثار اپنی پوری قدر و قیمت کے ساتھ گنجہائے گرانمایہ کی طرح اب بھی موجود و باقی ہیں۔ جن کے مشاہدہ و مطالعہ سے اہلِ بصیرت بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں، کہ وہ حضرات علم و حکمت کے کن کن اعلیٰ درجات پر فائز ہوئے تھے۔

حضرت سیّدنا شاہ ناصر خسرو ۳۹۴ھ مطابق ۱۰۰۳ء میں پیدا ہوئے، ان کی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا یہ عالم تھا، کہ نو ۹ سال کی عمر میں قرآنِ پاک کو حفظ کر لیا۔ مزید پانچ سال کے عرصہ میں علمِ لغت، صرف و نحو، علمِ عروض و قافیہ اور علمِ حساب سیکھا۔ اِس کے بعد مُدّت تین سال میں علمِ نجوم، علمِ ہیئت، علمِ الرمل، اُقلیدس اور کتاب مجسطی کی تعلیم مکمل کر لی۔

جب وہ سترّہ برس کے ہُوئے تو اُنہوں نے علمِ ادب، علمِ فقہ اور حدیث شریف کا درس شروع کیا، اور اسی ضمن میں اس زمانے کی دو ۲ مشہور کتابیں جامع کبیر اور سیر کبیر بھی پڑھی گئیں، قرآن شریف کے حقائق کی جستجو کے سلسلے میں تقریباً تین سو تفاسیر پڑھیں، جن میں سے کچھ تو نصاب میں آئی تھیں اور بعض کا ذاتی طور پر مطالعہ کیا۔

پھر موصوف نے فلسفۂ یونان کو پڑھا۔ جب ان کی عمر شریف پندرہ سال ہُو چکی تھی اس وقت بلخ ہی میں مقیم تھے۔ ناصر خسرو عربی کے علاوہ ترکی، یونانی، عبرانی اور سندھی زبان بھی جانتے تھے اور فارسی تو ان کی مادری زبان تھی۔

جب حضرت ناصر خسرو کی عمر شریف ۳۲ سال ہو گئی تو اُنہوں نے توراۃ زبور اور انجیل کو یہودی علماء سے پڑھا۔ اس کے بعد ذاتی طور پر پورے چھ سال تک ان تینوں کُتبِ سماوی کا محققانہ و مناظرانہ انداز سے مطالعہ فرمایا۔

بعد ازاں حکیم جاماسپ کی کتاب موسومہ "منطق الٰہی و طبیعی"۔ علمِ طب اور ریاضیات کو مکمّل کر لیا۔ پھر تصوّف، رُوحانیات، علمِ تسخیر اور طلسمات کو حاصل

کیا اور تقریباً چوالیس ۴۴ سال کی عمر شریف میں ناصر خسرو ایک عدیم النظیر حکیم، مشہور فلسفی، متبحر علامہ، زبردست مناظر اور نامور شاعر بن گئے۔

یہ تمام علوم بلخ، بخارا، عراق اور خراسان کے ضلعوں سے حاصل کئے تھے، اور اُنہوں نے مذکورہ تمام علوم میں اس درجے کا کمال حاصل کر لیا، کہ یہود و نصارٰی کے علماء بھی ان سے اپنی مذہبی کتابیں پڑھتے تھے۔

سیّدنا حکیم ناصر خسرو کی فطرت میں تلاش حقیقت کی جملہ خدا داد صلاحیتیں موجود تھیں، اس لئے وہ تقلیدی اور ظاہری علوم سے مطمئن نہیں تھے اُنہوں نے قرآن و حدیث کے اشارات، قانونِ قدرت کے مشاہدات اور عقل و دانش کے فیصلے سے یہ یقینی نتیجہ نکالا کہ ہر زمانے میں ایک ایسی فاضل ترین و کامل ترین شخصیت کا موجود و حاضر ہونا ازبس ضروری و لازمی ہے جو حق تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے ہر گروہ اور ہر فرد کے لئے اس کی حقداری کے مطابق ہدایت کرے چنانچہ آپ اپنے دیوان کے ایک طویل قصیدے میں، جس کے ایک سو تیس اشعار ہیں۔ اپنے بعض ابتدائی حالات کا تذکرہ فرماتے ہیں، جس کا مطلع درج ذیل ہے:۔

ای خوانده بسی علم و جهان گشته سراسر ٭ تو بر زمی و از برت این چرخ مدوّر

مذکورہ قصیدے کے اکثر اشعار، رموز و کنایات سے بھرے ہوئے ہیں جن کا مختصر مطلب یہ ہے کہ حضرت پیر ناصر خسرو (قدس اللہ سرّہ) شروع شروع میں اثنا عشری عقائد کے قائل تھے، مگر جب مصر میں سیّدنا ہبۃ اللہ المؤید

فی الدّین شیرازی سے ان کی مُلاقات ہوئی تو سیّدنا المؤیّد کے معجزاتِ علمی سے ان کو یقین آیا کہ وہ اپنے ایک تاریخی خواب کے نتیجہ میں جس مقدّس اور لافانی چیز کی تلاش میں نکلے تھے، وہ یہیں سے مل سکتی ہے، چُنانچہ اُنہوں نے بخوشی اسماعیلی مذہب قبول کرلیا، اس کے بعد نورِ امامت کے فیوض و برکات سے ان کے لئے علمِ لدُنّی اور کشف و کرامات کے دروازے کھُل گئے اور ان کے خواب میں کسی بُزرگ نے قبلہ کی جانب جس رُوحانی طبیب و حکیم کی نشاندہی فرمائی تھی۔ وہ ان کو مل گیا، وہ رُوحانی طبیب و حکیم فی الحقیقت مولانا الامام المستنصر باللہ علیہ السّلام تھے، اَب حضرت پیر ناصر خسرو رُوحانی طور پر حضرت محمّدؐ و آلِ محمّدؐ کے شہرستان علم و حکمت میں داخل ہو چکے تھے، چُنانچہ اُنہوں نے مذکورہ قصیدے میں اس عظیم رُوحانی شہر کے عجائب و غرائب کے متعلق جو کچھ نقشہ کشی کی ہے، اس کی ایک مثال مندرجہ ذیل شعر سے مِلتی ہے ؎

شہری کہ درو دیبا پوشند حکیمان ؛ نہ تافتہ مادہ و نہ بافتۂ نر

(یعنی میں رُوحانیت کے جس شہر میں داخل ہُوا تھا) وہ ایک ایسا شہر تھا، کہ اس میں حکماء دیبا پہن لیا کرتے ہیں، وہ دیبا نہ تو عورت کا کاتا ہُوا ہے، نہ مرد کا بُنا ہُوا۔

۳۱ شعر سے ظاہر ہے، کہ حضرت پیر ناصر خسرو یہاں عالمِ رُوحانیت اور مقامِ علمِ لدُنّی کا تذکرہ فرماتے ہیں، اُنہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں بارہا اس امرِ واقعی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کہ ان کو نورِ امامت کی طرف

سے رُوحانی علم و حکمت کا سلسلہ جاری تھا، چنانچہ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں :-

برجانِ من چو نورِ امامِ زمان بتافت ❊ لیل السرار بودم و شمس الضحیٰ شدم
نامِ بزرگ امامِ زمان است ازین قبل ❊ من از زمین چو زہرہ بدو بر سما شدم

یعنی جب میری جان پہ (بطریقِ باطن) امامِ زمان کا نور طلوع ہوا، تو میں جو (قبلاً غفلت و جہالت کی) اندھیری رات تھا (اس نور کی بدولت) روزِ روشن بن گیا (پس) اسی وجہ سے امامِ زمان (حق تعالیٰ کا) اسمِ اعظم ہیں، میں تو انہی (کی رُوحانی طاقت) سے زہرہ[1] کی طرح پرواز کر کے رُوحانیت کے آسمان پر جا پہنچا۔

زیرِ نظر کتاب اسی نامور حکیم، خدارسیدہ بزرگ، پیرِ کامل اور حجّت خراسان و بدخشان کی پُر حکمت تصانیف میں سے ہے اور حق بات یہ ہے، کہ اس بے نظیر کتاب کو موصُوف حکیم کی جُملہ تصانیف میں بابِ آخر کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ یہ ان کی بے پایاں علمی و عرفانی معلومات و تجربات کا خلاصہ و جوہر ہے، اس حقیقت کے ثبوت میں ہم یہاں صرف دو دلیل پیش کرتے ہیں، پہلی دلیل یہ ہے، کہ پیر ناصر خسروؒ کے مذکور کلام سے یہ مطلب صاف طور پر ظاہر

---

[1] زہرہ : شہر بابل کی ایک جمیلہ پارسا خاتون کا نام ہے جس کے متعلق یہ قصّہ مشہور ہے، کہ ہاروت و ماروت سے، جو دو آزمائشی فرشتے تھے، اسمِ اعظم حاصل کر کے آسمان میں پرواز کر گئی۔

ہے، کہ امامِ زمان کے نورِ تاویل ان پر منکشف ہونے سے قبل (جو بطریقِ کشفِ باطن انکی روح میں طلوع ہوا تھا) انکی ظاہری علمی حیثیت اندھیری رات کی سی تھی، چنانچہ قرآن کے علمِ ظاہر اور علمِ تاویل کے بارے میں فرماتے ہیں :-

شور است چو دریا بہ مثل ظاہر تاویل ٭ تاویل چو لولوست سوئی مردم دانا

"یعنی تاویل کا ظاہر مثال کے طور پر سمندر کا کھارا پانی ہے اور تاویل اس کے اندر دانا آدمی کے لئے بیش بہا موتیوں کی طرح ہے۔"

اب نتیجہ کے طور پر یہ کہنا حق بجانب ہوگا، کہ حضرت پیر کے نزدیک انکی سب سے بڑی اہمیت والی کتاب دراصل وہ ہونی چاہیئے جسکی تصنیف میں انہوں نے زیادہ سے تاویل سے کام لیا ہو، پس ایسی کتاب تو صرف "وجہ دین" ہی ہے۔

حضرت پیر کی گرانقدر اور پُر حکمت تصنیفات میں "وجہ دین" کو حرفِ آخر کا درجہ حاصل ہونیکی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ کتاب موصوف پیر نے اپنے علمی عرفانی کارناموں کے ارتقاء کے تقریباً آخری درجے پر تصنیف کی ہے، کیونکہ "دیوان" میں ایسے دو شعر ملتے ہیں جن سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ پیرِ کامل نے اپنی بہت سی تصنیفات کے بعد "زاد المسافرین" بمقام یمگان ۴۵۳ھ بمطابق ۱۰۶۱ء میں مکمل کرلی تھی۔ اور "وجہ دین" کی تکمیل اس کے بعد ہوئی ہے[1]۔ چنانچہ آنجناب اپنی شہرۂ آفاق کتاب "زاد المسافرین" کی تعریف میں فرماتے ہیں :-

---

[1]: کتاب ہذا ص ۳۶ پر پیر ناصر خسرو فرماتے ہیں : ہم نے اسکی تشریح ایک اور کتاب زاد المسافرین میں کی ہے۔ ظاہر ہے، کہ "زاد المسافرین" پہلے اور "وجہ دین" بعد میں لکھی گئی ہے۔ اور "وجہ دین" کی تصنیف سے آج تک تقریباً ۹۰۰ سال ہوئے۔

زتصنیفاتِ من زاد المسافر ؛ کہ معقولات را اصل است و قانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند ؛ ثنا خوانند مرا خاکِ فلاطون

"یعنی میری تصنیفات میں سے "زاد المسافرین" جو معقولات[1] کی اصل و بنیاد اور قانون و آئین کا درجہ رکھتی ہے، اگر (یہ کتاب مشہور یونانی حکیم) افلاطون کی قبر پر پڑھی جائے تو افلاطون (کے بوسیدہ جسم) کی مٹّی بھی میری تعریف و توصیف کئے بغیر نہ رہے گی۔"

جب ہمیں یہ معلوم ہُوا کہ حکیم ناصر خسرو نے یونانی فلسفیوں اور حکمایٔ ظاہر کا مقابلہ کتاب "زاد المسافرین" سے کیا ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ انہوں نے جو کتاب قرآن، حدیث اور فقہ کی تاویلی اسرار و رمُوز کی وضاحت میں لکھی ہو، وہ "زاد المسافرین" سے بھی بڑھ کر ہوگی، اور ایسی اعلیٰ درجے کی خالص مذہبی کتاب جس میں امام زمان کے نورُ و حضور کے رُوح افزا اسرارِ حقائق و معارف بیان ہُوتے ہیں، صرف "وجہ دین" ہی ہے، کیونکہ حکیم ناصر خسرو اپنے زمانے کے امام کی جانب سے مرتبۂ حُجّتی پر فائز و مامُور تھے، اور امامِ زمان سے ہر حُجّت کو جو اصلی چیز ملتی ہے وہ نورانی اور عملی تاویل کی صُورت میں ہوتی ہے، چُنانچہ اس شعر سے یہی مطلب عیاں ہے:-

"از دلِ حجّت بحضرت رہ بُوَد ؛ او بتاییدِ دلش آگہ بُوَد"

یعنی حجت کے قلب سے حضرت (امامِ زمان) تک (عرض والتجاء

---

[1] معقولات وہ علم ہے، جس میں عقلی چیزوں سے بحث کی جائے۔

جاننے اور نورانی تاویل آنے کا رُوحانی) راستہ موجُود ہے، اور وہ (امام زمان) اس کو (رُوحانی و عقلانی) مدد پہنچانے سے (ہرگز غافل نہیں، بلکہ ہمیشہ) آگاہ ہیں"

پس معلوم ہُوا، کہ حکیم ناصرخسرو حُجّتِ خراسان و بدخشان کو اپنے زمانے کے امام سے علمِ تاویل کے جو بے پایاں خزانے حاصل ہُوئے تھے وہ اس مقدس کتاب کے موضوعات میں رکھے ہُوئے ہیں، مگر یہ بات بھی ضرور یاد رکھیئے، کہ اس پُرحکمت کتاب کے بعض موضوعات کے تنزیلی پہلوؤں کا تعلق زمانۂ ماضی سے ہے، لیکن اُن کے باطن میں جو تاویلات ہیں وہ ہمیشہ کے لئے مطلوب و مقصُود ہیں، چنانچہ اگر آپ اِس کتاب کے تمام نکات کو تقابلی نظر سے پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ موجُودہ دَور سے متعلق اس میں کیا فرمایا گیا ہے۔

کتاب "وجہ دین" اعلیٰ درجہ کی خودشناسی، مذہب شناسی، امام شناسی اور خُداشناسی کا کامل ترین علمی و عرفانی ذریعہ ہے، کیونکہ سیدالعارفین پیر ناصر خسرو نے نورِ امامت کی روشنی میں دین و آئین کی ماضی، حال اور مستقبل کا عرصۂ دراز تک کشفِ باطن اور عارفانہ طریق پر مُشاہدہ کیا ہے، پھر اپنی بہت سی گرانمایہ تصنیفات کے بعد جیسا کہ قبلاً ذکر ہو چکا، یہ پُرحکمت کتاب لکھی ہے اور اس میں زمانۂ آئندہ کی علمی ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے بہت سی ضروری پیش گوئیاں کی ہیں۔ جن کی روشنی میں حقیقی مومنین پیش آمدہ مذہبی مسائل کو بآسانی حل کر سکتے ہیں، وہ اسماعیلی اصطلاحات جن میں پیشین گوئیاں

ہیں، اِس قسم کی ہیں :-

روزِ شنبہ، حضرت قائمؑ، دورِ رُوحانی، خلیفۂ قائمؑ، حُجّتِ قائمؑ، شبِ قدر، پانچ حدُود جسمانی وغیرہ۔

مختصر یہ کہ "وجہ دین" ہی وہ واحد پُرحکمت کتاب ہے جس کے بغیر دُنیا بھر کی کوئی مذہبی کتاب مندرجۂ ذیل قسم کے پیچیدہ سوالات کا جواب نہیں دے سکتی ہے، یہ اور اس قسم کے بہت سے دُوسرے سوالات موجودہ دَور کے اس عظیم الشان سائنسی انقلاب و ترقی کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں اور آنے والے ہیں جن کو اس کتاب کے صحیح مطالعہ کے بعد سہل طریقے سے حل کیا جاسکتا ہے، وہ سوال یہ ہے :-

"یہ حقیقت پایۂ ثبوت پر آگئی ہے، کہ چاند بھی ہماری اس زمین کی طرح ایک دُنیا ہے، اور یہ بات بھی یقینی ہوگئی ہے، کہ آئندہ چند سالوں کے اندر اندر چاند کی دُنیا میں یا کسی اور سیّارے میں اس دُنیا کی بعض قومیں بسنے لگیں گی، کیا دران حال اس سیّارے پر اور ان لوگوں کے درمیان حق تعالیٰ کی جانب سے کوئی پیغمبر یا کوئی امام ہوگا یا نہیں ؟ اگر جواب نفی میں ہُوا، تو کس طرح دُرست ہوسکتا ہے، جبکہ ہمارا عقیدہ اور یقین ہے، کہ دُنیا اور اس کے باشندے امامِ زمان کے وجُود و ظہُورِ مبارک کی بدولت قائمؑ اور زندہ ہیں۔ (دیکھو حدیث : لَوْ خَلَتْ .....) اور اگر جواب اثبات میں ہے، تو اس سے بہت سے ذیلی سوالات پیدا ہوجاتے ہیں

ان میں سے ایک تو یہ کہ : کیا اس وقت دو امام ہوں گے ؟ اگر ایسا ہوا تو چاند پر کس خاندان سے امامت کا آغاز ہوگا ؟ وغیرہ ؟"۔

پس یقیناً "وجہ دین" ہی وہ واحد کتاب ہے، جو اس قسم کے پیچیدہ اور مشکل سوالات کے تسلّی بخش جوابات کا ذریعہ بن سکتی ہے جس کی وجہ وہی ہے جو سطورِ بالا میں عرض کی گئی ہے، کہ یہ کتاب پیرِ کامل نے امامِ برحق کے ہمہ رس وہمہ گیر نور کے ذریعہ پورے دور کا مشاہدہ کرکے آئندہ پیش آنے والے مسائل کے جواب میں لکھی ہے، اور اس کا مقصد اعلیٰ یہ ہے، کہ مومنین انقلاباتِ زمانہ کے پیدا کردہ دینی مسائل کو حل کرتے ہوئے خدا کی رسّی (سلسلۂ امامت) کو مضبوطی سے تھامے رہا کریں۔

بحمداللہ اب یہ گراں مایہ اور نایاب کتاب نہ صرف آسان اردو زبان میں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے، بلکہ اس کے مشکل الفاظ و اصطلاحات کی تشریح و توضیح بھی کی گئی ہے، فٹ نوٹ لکھے گئے ہیں، اور ضرورت کے مطابق بڑے پیروں کے چند چھوٹے چھوٹے پیرے کر دیئے گئے ہیں، نیز نقل و طبع کی سابقہ غلطیوں کی حتی الوسع اصلاح کی گئی ہے۔

میں آخر میں رسمی طور پر نہیں بلکہ دل و جان اور اخلاص و ایمان سے شکریہ ادا کرتا ہوں ان تمام علم پرور احباب کا، ان تمام پیرِ کامل ناصر خسرو کے علم و حکمت کے شیدائیوں کا اور ان سارے "ادارۂ دار الحکمت

یح

الاسماعیلیہ ہونزہ گلگت" کے ممبروں اور معاونوں کا جنہوں نے اس
ناتواں خادمِ ملّت کی ہر طرح سے معاونت اور حوصلہ افزائی فرمائی
اور اس ہمہ رس علمی خدمت کا مشورہ دیا۔ نیز میں اسی خلوص سے شکریہ
ادا کرتا ہوں، ان تمام رُوحانی احباب کا جن کی دینی و علمی صلاح و مشورہ
اور قلمی تعاون کے بغیر اگر میں کوئی کام کر بھی سکوں تو میری رُوحانی مسرّت
و خُوشی میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔

وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدیٰ

خَادِمُ الملّت

نصیر ہونزائی

یکم جنوری سنہ ۱۹۶۸ء مطابق ۲۹ / رمضان سنہ ۱۳۸۷ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و سپاس

اُس خالقِ (برتر و توانا) کی تعریف و توصیف ہے، جس نے عالمِ باطن ہی سے عالمِ ظاہر کو پیدا کر کے اِس میں عالمِ باطن کے نشانات دکھائے[۱]، اور انہی نشانوں کی تحقیق و تدقیق میں انسانی عقل کو اپنے جلوہ دکھانے کا موقع عطا فرمایا، اُسی نے اپنی قدرتِ کاملہ سے جوہرِ پائندہ[۲] (یعنی رُوحِ ناطقہ) کو عرض[۳] (یعنی جسم) کی ظہور گاہ کے اندر چھپائے رکھا، اور آخری اعراض (یعنی انسانی اجسام) کو اس جوہرِ پائندہ کے قابل بنا دیا، تاکہ ہر دانشمند دل کی آنکھ سے یہ حقیقت دیکھ سکے، کہ کس طرح توانا جوہر ناتواں عرض

---

[۱] : حق تعالیٰ نے عالمِ باطن سے عالمِ ظاہر کس طرح پیدا کیا اس کی تفصیل کلام ۴ میں آئیگی۔

[۲] جوہر وہ شئے ہے، جو بذاتِ خود قائم و باقی ہو، جیسے انسانی رُوح۔

[۳] : عرض وہ شئے ہے، جو بذاتِ خود قائم و باقی نہ ہو، بلکہ اس کا قیام و بقا دُوسری شئے پر ہو، جیسے اِنسانی جسم جس کا قیام و بقا رُوح پر ہے۔

کا محتاج ہے، اور (وہ اس قانونِ الٰہی کی بناء پر) لطیف شے کو کثیف شے سے ہرگز بے نیاز نہ سمجھے، جیسا کہ کثیف شے لطیف سے بے نیاز نہیں، اور متضاد و مقابل چیزوں کے جوڑے بنانے والا ایک وجہ سے اس بات سے پاک[1] ہے، کہ وہ خود کسی چیز کا مقابل اور جوڑ ہو، کیونکہ مقابل اور جوڑے کی چیزیں تو ایک دُوسرے کی ضد ہُوا کرتی ہیں، اسی طرح وہ اثبات سے بھی برتر ہے، اس لئے کہ اثبات نفی کی ضِد و مقابل ہے۔

خُدا کے برگزیدہ رسُول پر درُود ہو! جو عرب اور غیر عرب کے تمام لوگوں میں سے انتہائی درجے کی فصاحت و بلاغت کے مالک ہیں، جن پر نفی و اثبات کی وحی نازل ہُوئی، جو ایک کتاب کی صُورت میں بھی ہے، اور ایک کلمہ کی حیثیت سے بھی، اپنے پُورے شمار و مقدار کے ساتھ ایک حرف (یعنی اسمِ اعظم) میں بھی ہے، اور تمام پیغمبروں اور ائمہؑ برحق کی مبارک زبان پر بھی۔

حضرت محمدؐ مصطفٰے کے مبارک نام پر درُود ہو! جو خُدا کی (کائناتی) کتاب اور اس کے دین کے سمجھانے والے ہیں، جو قرآنِ پاک کی زبان اور شریعت کے بانی ہیں، آن حضور کے اس نورانی اور جوہری جسم[2] پر خُدا کی رحمت نازل

---

[1]: یہ مطلب اس ارشاد الٰہی کے مطابق ہے: "سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۳۶/۳۶ آیۃ سورہ پاک ہے وہ ذات جس نے ساری چیزوں کو جُفت جُفت پیدا کیا، نباتات سے، ان کی جانوں سے اور ان چیزوں سے جنہیں وہ نہیں جانتے ہیں۔"

[2]: اس حقیقت کا مشاہداتی تجربہ صرف اہلِ کشف ہی کو حاصل ہے کہ پیغمبرؑ اور امامِ برحقؑ جسم

ہو جو جسمِ عنصری کا خلاصہ ہے (مگر اس سے آزاد ہے، اور گرمی، سردی، خشکی اور تری کی ترکیب سے مُبرّا ہے، وہ ظاہر بھی ہے اور غائب بھی، اُس لئے کہ وہ جُثّۂ لطیف و فلکی ہے)

امام علیّ المرتضےٰ شیرِ خدا کی پاک جان پر رحمتِ ایزدی نازل ہو! جن کی ذاتِ شریف علوم و معارف کا خزانۂ ودیعت و امانت ہے اور نبیؐ و علیؑ کی آلِ پاک پر رحمتِ خداوندی ہو! جو دُنیا و عقبیٰ کے جلالی فرشتے ہیں اور راہِ راست کے راہنما ہیں۔

عنصری کے علاوہ ایک اور جسم بھی رکھتے ہیں جس کے مختلف نام ہیں مثلاً: جسمِ نورانی، جسمِ جوہری، جسمِ فلکی، جسم مثالی، جسمِ مماثل، جسمِ معجزاتی، جُثّۂ نورانی، جُثّۂ ابداعیہ وغیرہ، اور ان ناموں کے جیسے جُدا جُدا معنی ہیں، ان معنوں کے مطابق جسمِ لطیف کے ظہورات و معجزات ہوتے ہیں، اس مطلب کی تفصیل کے لئے کتاب "میزان الحقائق" خصوصاً از صفحہ ۶۲ تا ۷۶ نیز کتاب "مفتاح الحکمت" از صفحہ ۸۴ تا ۹۸ پیشِ نظر ہو۔

(مترجم)

آغازِ کتاب

ہم حقیقت کے عظیم اور لا انتہا سرّ کے طلب گاروں کو یہ بیان کریں گے، کہ حق تعالیٰ نے اِنسان کو خوف اور اُمید کے لئے پیدا کیا ہے، چُنانچہ خُدا نے اس کو بہشت کے ذریعہ اُمید دلائی ہے اور دوزخ کے ذریعہ ڈرایا ہے، پس میرا قول یہ ہے، کہ اِنسان کے نفس میں جو خوف پایا جاتا ہے، وہ دوزخ (کی ہستی) کا نِشان ہے، اور انسان میں جو اُمید پائی جاتی ہے، وہ بہشت (کے وجُود) کا اثر ہے۔

یہ دونوں چیزیں (یعنی جزوی خوف اور جزوی اُمیّد) جو انسانی فطرت میں پوشیدہ ہیں، ایک کُلّی خوف اور ایک کُلّی اُمیّد کی نِشاندہی کرتی ہیں، وہ دوزخ اور بہشت ہیں، جب رسُول مُحمّد مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بُلایا، تو آنحضرتؐ نے بموجبِ فرمانِ الٰہی یہی دو چیزیں، جو لوگوں کی سرِشت میں پنہاں تھیں، ان کے سامنے لا رکھیں، یعنی ایک چیز تو اُمید تھی، جو دونوں جہاں کی دولت، رحمت، آسائش

اور بقا کا سرمایہ تھی، اور دُوسری چیز تلوار تھی، جو دونوں جہاں کے خوف، جنگ اور فنا کا سرچشمہ تھی، ایک اور چیز شریعت تھی، جس کو قبول کرنے کے نتیجے پر اُن (کے قتل) سے ہاتھ روک لینا، اور انہیں جینے دینا تھا۔ یہ تو صرف اِس جہان کے امن و بقا کی علامت تھی۔

پس جو شخص آنحضرت علیہ السّلام کی تلوار سے قتل کیا گیا، تو وہ دونوں جہان میں فنا ہُوا، اور جس شخص نے آنحضرت کے فرمان کو اُمید سے قبول کر لیا، تو اس نے دونوں جہان میں بقا پائی، اور جس شخص نے تلوار کے خوف سے دین قبُول کر لیا، تو اس کو محض اس جہان کی بقا ملی، مگر وہ دُوسرے جہان کی بقا کو نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ جب گزر جانے والی بقا تلوار کے خوف سے قبول کر لی جائے، حال آنکہ تلوار سرمایۂ قتل ہے، تو وہ ایک ایسی بقا ہوگی کہ جس کی عِلّت (یعنی سببِ پیدائش) فنا و نیستی ہے، اور اصول یہ ہے، کہ ہر چیز اپنی عِلّت ہی کی طرف رجُوع کر جاتی ہے (اس لئے ایسی بقا اپنی عِلّت یعنی فنا کی طرف رجُوع کر کے نیست ہو جائیگی)۔

پس ثابت ہُوا کہ جس شخص نے اِسلام تلوار کے خوف سے قبُول کر لیا (اور مرتے دم تک اِسی حالت پر رہا) تو وہ اُمید سے بے بہرہ رہا اور اس کو ابدی بقا نہیں ملی، اور جس شخص نے دین کو دائمی بقا کی اُمید پر قبُول کر لیا، تو اس کی گزر جانے والی بقا کی عِلّت دائمی بقا ہی تھی (یعنی وہ دین قبول کرنے کے بعد ابدی زندگی کی اُمید پر جی رہا تھا)

سو اُسے دائمی بقا ہی حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کی دُنیادی زِندگی کی علّت تو یہی دائمی بقا تھی۔

(نیز یہ حقیقت بھی ہے کہ) جو شخص کوئی کام محض کارفرما کے خوف ہی کے سبب سے کرتا ہو، تو اس کے کام میں کوئی عقل و دانش ہی نہیں، اور ایسا کام تو ان لوگوں کے کام سے ملتا جُلتا ہے، جو کام کی حقیقت سمجھے بغیر کسی خوف کے مارے کر ہی ڈالتے ہیں، اور جو شخص اس اُمید پر کام کرتا ہو، کہ اس کو نیکی ملنے والی ہے تو اس کا کام بحقیقت دانشمندوں کا کام ہے، اور جب اکثر لوگ نادان ہیں، تو (لازماً) نادان لوگ بگاڑ کی طرف مائل ہُوا کرتے ہیں، اور بگاڑ کا بدلہ خوف کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔

جب اکثر لوگوں نے دین خوفِ شمشیر کے سبب سے قبول کر لیا ہے، تو لازماً بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو یہ نہیں جانتے، کہ دینِ اسلام کیا ہے، بلکہ اُنہوں نے ڈر کر اس کو قبول کر لیا ہے، اور وہ اس کو سمجھے بغیر اپنا رہے ہیں، یعنی امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام کی تلوار کے خوف سے، جو بموجب فرمانِ رسُولؐ یہ تلوار چلائی جاتی تھی، جس سے ان کے آباو اجداد کے دلوں میں خوف بھرا ہُوا تھا، اور ان کی یہ نسلیں اُسی (آبائی) خوف کے ساتھ پیدا ہُوئی ہیں (اِسی لئے تو) یہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے، اور داناؤں سے یہ لوگ پُوچھ لیا نہیں کرتے، تاکہ خوف سے، جو دوزخ کا نِشان ہے، نجات پاتے، اور اُمید کو، جو بہشت کا نِشان ہے، حاصل کر سکتے، اور

دائمی وابدی نعمت کو پہنچ سکتے۔

جاننا چاہیئے کہ دوزخ اس دُنیا میں (جزوی طور پر) تلوار کے خوف کی صُورت میں موجُود ہے، اور دانش کے بغیر کام کرنا اِسی (جزوی) دوزخ کا عذاب ہے، اور بہشت اس دُنیا میں (جُزوی طور پر) اُمید کی حیثیت سے موجُود ہے، اور علم و دانش سے کام کرنا اسی (جُزوی) بہشت کا ثواب وصلہ ہے، چُنانچہ تمام اہلِ اسلام اس بات پر مُتفق ہیں کہ جب کِسی گنہگار کو دُنیا ہی میں سزا دی جائے، تو وہ شخص بہشت میں داخل ہوکر دائمی نعمتیں حاصل کرنے لگتا ہے، اِس کے یہ معنی ہُوئے، کہ اکثر لوگوں نے حقیقت دیکھے اور سمجھے بغیر محض تلوار کے ڈر ہی سے دین قبول کرلیا ہے، اور اسی طرح دین قبول کرلینا ان کی بدعت ہے، مگر جب وہ دانش سیکھ لیں اور علم سے کام کریں، تو وہ دوزخ سے چھُٹ کر بہشت میں پہنچے ہُوئے ہوتے ہیں، جزوی طور پر اس دُنیا میں بھی اور کُلّی طور پر اس جہان میں بھی۔

جب کوئی دانشمند سوچے تو اسے یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی، کہ اِس عالم میں جب کوئی شخص کام کو سمجھے بغیر کرتا ہے، تو وہ کام اس کے جُرمانے کا سبب بن جاتا ہے، اور اس کو کوئی صِلہ نہیں دیا کرتے، اور جو شخص دانش سے کام کرے، تو وہ اس قسم کے جُرمانے سے بچ سکتا ہے، اور اپنے کام کا صِلہ حاصل کرسکتا ہے۔

پس ہر دانشمند پر یہ واجب ہے، کہ وہ حضرت مُحمّد مُصطفےٰ

صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شریعت کے معنی سمجھ لیا کرے، اور اس کے بعد علم و دانش سے شریعت پر عمل کرتا رہے، تاکہ وہ اپنے عمل کے اس صلے کے قابل ہو سکے جو بہشت کی حیثیت سے ہے، اور اس جُرمانہ و سزا کے خوف سے چھٹکارا پا سکے، جو دوزخ کی حیثیت سے ہے۔

جب مُسلمان میں یہی (واقعہ) تھا، جو کچھ میں نے اُوپر ذکر کر دیا، تو میں نے اس کتاب کو تالیف کرنا اپنے ذِمّہ ایک اہم ترین فرض سمجھا، جو شہادت، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، ولایت، امر، نہی وغیرہ جیسی شرعی بُنیادوں کی تشریح و تاویل پر مشتمل ہے، اور ہم نے اس کتاب کا نام "**وجہ دین**" یعنی دین کا چہرہ رکھ لیا اس لئے کہ انسان تمام چیزوں کو صرف ان کے چہروں ہی سے پہچان سکتا ہے۔ چُنانچہ جو دانشمند اس کتاب کو پڑھے، تو وہ دین کو (صحیح معنوں میں) پہچان سکے گا، اور پہچانے ہُوئے (دین) پر عمل کر سکے گا، اور اللہ تعالےٰ کی خُوشنودی حاصل کر کے اپنے عمل کے معاوضے کے قابل ہو سکے گا۔

ہم نے اس کتاب کی گفتاروں کی بُنیاد اکیاون ۵۱ کے عدد پر رکھی، یہ عدد نماز کی ان رکعتوں کے برابر ہے جو ایک دن رات کے عرصہ میں لوگوں پر واجب ہُوا کرتی ہیں، تاکہ اس علم و عمل اور تاویل کی بدولت لوگوں کو نجات مل سکے، جو شریعت کے باطن میں پوشیدہ ہیں، اور ہم نے اس کتاب کے مندرجات کی فہرست اس کے شروع

میں رکھی ، تاکہ قاری کو ہر مضمون کے دیکھ پانے میں آسانی ہو سکے۔

وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

کلام - ۱

اس امر کا ثبوت کہ امام علیہ السّلام ہر زمانے میں لوگوں پر خُدا تعالیٰ کی حُجّت ہیں

میرا کہنا ہے، کہ جب انسانوں کو عنایتِ الٰہی سے ایک ایسا حِصّہ ملا، جو دُوسرے تمام حیوانات کو نہ مل سکا، اور وہ حِصّہ پیدائشی[1] عقل تھی، یعنی انسان کی وہ قوّتِ عاقلہ جو سمجھ بُوجھ حاصل کرنے والی ہُوا کرتی ہے، تو عقل کے فیصلے سے یہ لازم آتا ہے، کہ حق تعالیٰ، جس نے انسانوں کو یہ مقدّس حِصّہ عطا کر دیا ہے، انہیں ایک مرد (یعنی مُعلّم) بھی بھیجے، تاکہ وہ (مُعلّم) ان کی اس فطری عقل کی علمی پرورش کرتا رہے، چُنانچہ جب خُدا نے جانوروں کو کھانے پینے والا نفس دیا، تو اس نے عناصر، ستاروں اور آسمانوں کو نباتات اُگانے کے کام پر لگا دیا، جن سے

---

[1]: پیدائشی عقل یا کہ فطری عقل "عقلِ غریزی" کا ترجمہ ہے جس سے انسان کی وہ ابتدائی شعوری صلاحیت مُراد ہے، جو ترقی پذیر مگر تعلیم کی محتاج ہے۔

جانوروں کے اجسام کی پرورش ہوتی رہتی ہے، کیونکہ[1] صانعِ حکیم کی حکمت میں یہ (ہرگز) مناسب نہیں، کہ وہ ایک ایسے حاجتمند کو پیدا کرے، جس کی حاجت پوری کرانے والے کو پیدا نہ کیا ہو، کیونکہ (اگر اس نے ایسا نہ کیا تو) یہ حقیقی مہربانی نہ ہوگی بلکہ بخالت ہوگی۔ مگر (ظاہر ہے) کہ وہ مہربان صانعِ حکیم بخالت سے پاک و برتر ہے، پس ہم نے یہ ثابت کر دیا، کہ اس مقدّس حصّہ یعنی فطری عقل کی پرورش کے لئے انسانوں کے درمیان کسی مُربّی یعنی پرورش کرنے والے کا موجود ہونا لازم ہے۔

اس کے بعد مجھے یہ کہنا ہے، کہ جس طرح یہ پیدائشی عقل تمام حیوانات کو چھوڑ کر صرف انسان ہی کو دی گئی ہے اور حیوانات فطری عقل کی مانوسیّت کے برعکس اور ناچار پیدا کئے گئے ہیں، بلکہ یہ تمام حیوانات میں سے صرف انسان ہی کے لئے خُدا کی عطا ہے، اسی طرح پروردگار (کے قانون) سے یہ لازم آتا ہے، کہ ان ابتدائی عقول کے لئے جس علم کی ضرورت ہے، وہ بھی صرف ایک ہی شخص پر عطائی[2] (طریق سے نازل) ہوگا، نہ کہ اکتسابی[3] (قسم کا، یعنی کسی ظاہری ذریعہ سے سیکھا اور کمایا ہُوا علم نہ ہوگا) کیونکہ اگر یہ اکتسابی علم ہوتا تو ہر شخص اپنی ہی کوشش سے اس علم تک پہنچ سکتا، جب تمام حیوانات میں سے انسان (جو حیوانات کی ایک نوع ہے) کے سوا اور کسی کو یہ عطا نہیں ہوئی، تو یہ لازم آتا ہے کہ تمام انسانوں میں سے بھی صرف ایک ہی شخص کے سوا اور کسی کو اس علم

---

[1]: صانعِ حکیم = حکمت والا کاریگر یعنی خُدا، جس کی ہر صنعت میں حکمت ہے۔

[2]: باطنی اور قدرتی ذریعہ سے کسی خاص انسان کو جو علم عطا کر دیا جاتا ہے، اسے "علم عطائی" کہتے ہیں۔ [3]: ظاہری اور انسانی ذریعہ سے انسان خود جدّوجہد کر کے جو علم کما لیتا ہے اسے "علم اکتسابی" کہتے ہیں۔ (مترجم)

کی معلّمی (یعنی سکھانے کی مرتبت) عطا نہ ہوگی تاکہ طریق استقرا[1] کے مطابق یہ ترتیب دلیلاً درست ہو، کیونکہ نوع جنس کے تحت ہے، اور شخص نوع کے تحت ہے، چُنانچہ جب جنسِ حیوان سے ایک نوع یعنی انسان علمی استفادہ کی عطا کے لئے مخصوص ہُوا ہے، تو نوعِ انسان سے بھی ایک شخص قدرتی معلّم کی مرتبت کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے، تاکہ ترتیب دلیلاً دُرست ہو سکے اور وہ واحد شخص پیغمبر ہُوا کرتا ہے۔ اِس لئے کہ جب تمام حیوانات میں سے صرف نوعِ انسان ہی عقل کے لئے مخصوص ہونے میں کوئی تعجّب نہیں، تو مرتبۂ نبوّت کے لئے صرف ایک ہی شخص کے مخصوص ہونے میں کیوں تعجب ہو،

چُنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

"اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ" سورہ ۷ آیہ ۶۹ کیا تُم اُس سے تعجّب کرتے ہو، کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس تُم میں سے ایک شخص کے توسط سے کوئی یاددہانی

---

[1] استقرا = موجُودات کی چند چیزوں پر تجربہ کر کے پھر موجودات کی تمام چیزوں پر وہی قاعدہ مقرر کرنے کا اصُول ہے۔ مثلاً دیکھا گیا کہ اجناس میں سے ایک جنس افضل ہُوا کرتی ہے تو لازمی ہے کہ انواع میں سے ایک نوع بھی افضل ہو اور افراد میں سے ایک فرد بھی۔

آ گئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرا دے؟"

پس ظاہر ہے کہ وہ واحد شخص اپنے دَور میں پیغمبرؐ ہیں، اپنے عصر میں ان کے وصیؑ ہیں اور ہر زمانے میں امامِ زمانؑ ہیں، جب تک دُنیا قائم ہے، نوعِ انسان اس واحد شخص سے (جو اس مرتبت کے لئے مخصوص ہے) خالی نہیں، چُنانچہ جنس حیوان انسانی نوع سے خالی نہیں، اور نہ کبھی خالی ہوگی، اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ کائنات و موجودات کی تخلیق سے صانع حکیم کی جو غرض ہے وہ صرف یہی ایک شخص جانتا ہے، اور جو شخص ناحق اسکی جگہ پر قابض ہو جائے اور اس مرتبے کا دعویٰ کرے، تو ایسا شخص گویا اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے، چُنانچہ اگر بہت سی گایوں میں سے ایک گائے زیادہ طاقتور ہے، تو وہ ہرگز اپنی ساتھی گایوں کی حفاظت نہیں کر سکتی، اور یہ ناممکن ہے، کہ وہ ان مویشیوں پر ایک مرد کی مثال بن بیٹھے تاکہ انہیں دُوسرے موذی جانوروں اور درندوں سے محفوظ رکھ سکے، اور وقت پر انہیں چراگاہ میں لے جایا کرے، اور وقت پر ان کو مویشی خانہ میں واپس لایا کرے۔

پس ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ اس واحد شخص سے دُنیا ہرگز خالی نہیں، کیونکہ مخلوق اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اور صرف وہی واحد شخص مخلوق کی بہتری کی نگہداشت و حفاظت کر سکتا ہے۔ جس طرح نوعِ انسان مویشیوں کی بہتری کی نگہداشت و حفاظت کر سکتی ہے، اور اس قول کی حقّانیت پر رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اس حدیث سے گواہی مل سکتی ہے اور وہ

یہ ہے :-

" امرت لصلاح دنیاکم ونجات آخرتکم

میں تمہاری دنیاوی بہتری اور اُخروی نجات کے لئے مامور ہُوا ہُوں "

پھر اگر وہ واحد شخص اس جہان سے چلا جائے، تو لازماً تمام مخلوق کی بہتری بھی ختم ہو جائے گی، چنانچہ بفرضِ محال اگر نوعِ انسان کو جانوروں سے اُٹھالی جائے، تو دراں حال جانور بھی نہ رہیں گے، اور وہ تمام جانور جو انسانی حفاظت و بہتری کے زیرِ اثر رہتے ہیں، شرانگیز درندوں کی وجہ سے ہلاک ہو کر ختم ہو جائیں گے۔

مُباحثہ

اگر کوئی شخص یہ کہے، کہ آج تمام گروہ ایک ایک امام مانتے ہُوئے ایک دُوسرے کے مخالف ہیں، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ دو مخالفوں میں سے صرف ایک ہی حق پر ہو سکتا ہے (دراں حال دُنیوی بہتری بھی صرف اُنہی کی ہونی چاہیئے، جن کا امام برحق ہو، مگر واقعہ اس کے برعکس ہے) کہ سارے اِنسان دُنیا میں بہتری کے ساتھ ہیں! تو میں یہ جواب دوں گا، کہ ان لوگوں کے لئے یہ بہتری کچھ ایسے باطل پیشواؤں سے حاصل ہوتی رہی ہے، جو اَب تک اِس بات

پر مٹھہرے ہوتے ہیں، کہ اُنہوں نے سچّے پیشواؤں کی چند عادات کو اپنا کر اپنے آپ کو سچّے پیشواؤں کے نمونے پر ظاہر کر دیا ہے، اور اسی طرح وہ اپنے کاموں کو رواج دیتے رہتے ہیں، لیکن وہ اپنے دعوے میں باطل پر ہیں، کیونکہ جب جھوٹ، فریب، مکر اور حیلہ اُن کے درمیان جاری ہے، تو ان کے پیروؤں کے یہ ناپسندیدہ حالات گواہی دیتے رہتے ہیں کہ ان کے پیشوا جو کچھ دعویٰ کرتے ہیں، وہ سراسر جھوٹ ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

" وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ

۴۵/۱۹ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا مددگار ہے۔"

امامِ باطل کسی درخت کے پتوں کی مثال ہے، کہ پتّے اپنے درخت کی زینت تو بن سکتے ہیں مگر اسکی آئندہ نوع کو باقی و جاری نہیں رکھ سکتے، اور امامِ حق درخت کے میووں کی مثال ہے کہ میوے اپنے درخت کی زینت بھی بن سکتے ہیں، اور اس کی آئندہ نوع کو بھی باقی و جاری رکھ سکتے ہیں، وہ اِس طرح کہ جب ان پھلوں کی ہر گٹھلی سے وہی درخت اُگے، تو اس کی نسلی جڑ نہیں کٹتی ہے۔ مگر پتّے کوئی درخت نہیں اُگا سکتے، بلکہ اگر پتوّں نے پھلوں کو چھپا لیا تو پھل (شروع ہی میں) خشک ہو کر ضائع ہو جاتے ہیں، اور باغ کا مالک پھل نہ

دینے کی وجہ سے ایسے درخت کو کاٹ دیتا ہے، پس معلوم ہُوا کہ پتّوں کی زیادتی کی وجہ سے درخت کی نوع بھی ختم ہو جاتی ہے، اور درخت کے فرد بھی، مگر پھل میں درخت کی نوع کی بہتری بھی ہے، اور اس کے فرد کی بہتری بھی، اور پتّے صرف درخت کی زینت کے لحاظ سے پھل جیسے ہو سکتے ہیں، لیکن ان دونوں کے درمیان بہت سا فرق ہے، جس کا ذکر ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ آیۂ ذیل میں یہی مثال بیان فرماتا ہے:۔

"اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۱۴-سورہ ۲۵-آیہ) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے پاک کلمے کی، اس پاک درخت کی طرح جس کی جڑ مضبوط اور شاخ آسمان میں جا پہنچی ہے، اور ہمیشہ اپنے پروردگار ہی کی اجازت سے پھل دیا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے، تاکہ وہ سمجھ سکیں۔"

اس پاک درخت سے اللہ تعالیٰ کی مُراد رسول (صلعم) ہیں، جس کی جڑ مضبوط ہے۔ جس کو دینی دُشمن اُکھاڑ نہیں سکتے اور اس کی شاخ آنحضرت کی آل ہیں، جو عالمِ رُوحانی سے تائید حاصل کرنے کے سلسلے میں رُوحانی آسمان سے متصل ہوئی ہیں، اور یہی آنحضرت

کے فرزند بموجب فرمانِ الٰہی لوگوں کو ہمیشہ حکمت کا پھل پہنچاتے رہتے ہیں، جو شخص اس مثال کو سمجھ سکے، تو وہی شخص اس درخت تک رسا ہو کر پھل کھا سکتا ہے، کیونکہ یہی پھل ہے جس میں ابدی زندگی پوشیدہ رکھی گئی ہے، اِس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ" ۱۴/۲۶

ناپاک کلمے کی مثال اس ناپاک درخت کی طرح ہے، جس کو زمین سے اکھاڑ لیا گیا ہو، اور اس کی کوئی پائیداری ہی نہ ہو، ایسے بدترین درخت سے اللہ تعالیٰ کی مُراد مخالفین ہیں، جنہوں نے امامت کا دعویٰ تو کر ہی لیا، مگر ان کی اولادیں (وہ غیر قدرتی) امامت جاری و باقی نہ رہی۔

مذکورہ بیان سے یہ ثابت ہوُا، کہ امام بحقیقت وہ ہے جس کا فرزند بھی امام ہو، اور اس کی نسل منقطع نہ ہو، ورنہ جو شخص امامت کا دعویٰ کرے، اور اس کی نسل منقطع ہو جائے تو وہ جھوٹا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" ۱۰۸/۱-۳

(اے محمدؐ صلعم) ہم نے آپ کو بہت سی اولاد والا مرد عطا کر دیا

ہے۔" جس سے اللہ تعالیٰ کی مُراد اساس (علی) ہیں۔ "پس آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز قائم کیجئے۔" یعنی دعوتِ حق برپا کیجئے، اور نحر کے طریقے پر اُونٹ ذبح کیجئے۔ یعنی اساس کا عہد لیجئے۔ کیونکہ آپ کا دُشمن دُم کٹا (دُم بریدہ) ہے۔ یعنی وہ بے اولاد ہے اس لئے امامت اس میں نہ رہے گی بلکہ وہ آپ ہی کی ذُرّیت میں باقی رہے گی۔

جب ہم نے (مذکورہ دلائل سے) خُدا تعالیٰ کی حجّت (امام) کا اثبات[1] کر دیا، تو اَب ہم لوگوں کو ان سے روشناس کر دیں گے۔

---

[1] مذکورہ کلام - ا - کے مطالب کی مزید وضاحت کے لئے میری ایک تصنیف "ثبوتِ امامت" مُفید ہو سکتی ہے۔

کلام - ۲

امامت کے تمام دعویداروں میں سے امامِ برحق کی نشاندہی کے بارے میں

میرا بیان ہے، کہ لوگوں میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "طریقِ حق (سچّا راستہ) یہی ہے، جس پر میں ہوں، اور میرا مخالف باطل (غلطی) پر ہے۔" تو یہ صورتِ حال اس بات کی دلیل ہوئی، کہ سارے دعاوی[1] حق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اگر سارے دعاوی حق ہوتے، تو دراں صورت ان تمام دعویداروں میں سے کوئی بھی باطل پر نہ ہوتا، اس لئے کہ ہر ایک مُدّعی[2] اپنے مخالف کے دعوے کو باطل کرانے میں حق بجانب ہو سکتا (مگر یہ واقعہ تو ناممکن ہے)

جب ہم نے یہ ثابت کر دیا، کہ سارے دعاوی حق نہیں ہو سکتے،

---

[1] : دعاوی = دعویٰ کی جمع۔

[2] : مدّعی = دعویٰ کرنے والا۔

تو ہم یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ دعاوی سب کے سب باطل بھی نہیں ہو سکتے، کیونکہ دعاوی تو ایک دُوسرے کے مخالف ہیں، اگر یہ سب کے سب باطل ہوتے، تو (ان کی حیثیت ایک جیسی ہوتی) اور یہ ایک دُوسرے کے مخالف ہی نہ ہو سکتے۔

نیز اگر تمام دعویدار ایک دُوسرے کے قول سے جھُوٹے ثابت کئے ہُوئے ہوتے، تو اس صُورت میں وہ سب کے سب ایک دُوسرے کو جھُوٹے ثابت کر دینے میں سچّے ہو سکتے، کیونکہ اگر دو مخالف آدمی ایک دُوسرے کو جھوٹے قرار دیتے ہوں اور فی الواقع دونوں نے جھُوٹ دعویٰ کیا ہو، تو وہ دونوں ایک دُوسرے کو جھُوٹے ثابت کر دینے میں سچّے ہیں۔

جب ہم نے یہ ثابت کر دیا، کہ دعویدار سارے کے سارے سچّے نہیں ہو سکتے، نیز سبھی جھُوٹے بھی نہیں ہو سکتے، پھر امر واقعی یہ ہے، کہ ان تمام دعویداروں میں سے صرف ایک ہی شخص حق بجانب ہے، اور باقی سب باطل پر ہیں، مگر وہ سب اپنے گمان میں اس واحد حق و راستی والے کو باطل گردانتے ہیں، اَب جبکہ دعوے والے صرف دو فریق ثابت ہُوئے، تو حق بھی باطل سے (جُدا ثابت ہو کر) نمایاں ہُوا۔

پس میرا قول یہ ہے، کہ مُسلمانوں کے تہتّر فرقوں میں سے ایک فرقہ وہ ہے، جو اِن سب کے لئے مخالف ہے، اور یہ فرقہ ان لوگوں کا

ہے، جو کہتے ہیں، کہ امام آلِ رسُولؐ (یعنی علی ابنِ ابو طالب اور فاطمہ زہرا علیہما السّلام کی اولاد) سے ہونا چاہیئے اور وہ امام علیہ السّلام دینی اُمور کے لئے زندہ اور حاضر ہونا چاہیئے، مگر دُوسرے سب ایک ہی فرقے کی حیثیت سے ہیں اِس لئے کہ جتنے بھی فرقے کسی گذشتہ امام کی پیروی کرتے ہیں، وہ سب (عملی طور پر) ایک دُوسرے کو سچّے قرار دیتے ہیں (یعنی وہ سب اپنے اس اصُول کے ذریعہ ایک دُوسرے کی تصدیق کرتے ہیں کہ گذشتہ امام کی پیروی کرنا کافی ہے) اور وہ اس ایک فرقے کو جھُوٹا قرار دیتے ہیں، جس کا نام فرقہ" امامیّہ ہے، جس کا قول یہ ہے، کہ امامِ زمان زندہ ہیں اور وہ رسُول علیہ السّلام کی آل ہیں، جب بہتّر فرقے اس ایک فرقے کے مخالف ہیں، تو ہمیں معلوم ہُوا کہ حقّانیت فرقہ" امامیّہ ہی میں ہے اور ان دُوسرے فرقوں میں نہیں، جب یہ بہتّر فرقے (اپنے اِس مُشترکہ عقیدے کے متعلق) کہتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں، تو مَیں یہ کہوں گا، کہ حق محض دعویٰ ہی سے ثابت ہو نہیں سکتا، بلکہ حق پر وہ شخص ہو سکتا ہے جس کے پاس اپنے دعویٰ" حقّانیت کی عقلی دلیل موجُود ہو۔

میں (اصل واقعہ کا) تذکرہ کرتا ہُوں، کہ مُسلمان رسُول علیہ السّلام کی رحلت کے بعد دو گروہ ہو گئے، پہلے گروہ نے کہا، کہ رسُول علیہ السّلام کے بعد ان کے فرزند ہی امام ہو سکتے ہیں، یہ قول امامی گروہ کا ہے، اور دُوسرے گروہ نے کہا، کہ رسُول علیہ السّلام کے بعد امامت اُمّت کے درمیان ہے تاکہ یہ جائز ہو کہ جو شخص زیادہ دانا اور زیادہ پرہیزگار

ہوا، تو وہی شخص امام بنے، چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، قولہ تعالیٰ :-

"یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۴/۵۹

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسُول کی اور فرمان والوں کی جو تم میں سے ہیں"۔ پس امامی گروہ نے کہا، کہ یہ فرمان والے رسُول ہی کی ذُرّیّت سے ہیں، اور دُوسرے مُسلمانوں نے کہا، کہ امام کا رسُول کی اولاد سے ہونا اور غیر سے ہونا دونوں جائز ہیں، پھر گروہِ امامیہ نے کہا، کہ تم نے جو یہ اقرار کر لیا، کہ امام کا رسُول کی اولاد سے ہونا جائز ہے، ہم اس پر تمہارے ساتھ متفق ہیں، اور یہ جو تم کہتے ہو کہ رسُول کی اولاد کے علاوہ دُوسروں سے بھی امام کا ہونا جائز ہے، ہم اس پر تمہارے ساتھ متّفق نہیں، پس ہمیں اس پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت ہی نہیں (کیونکہ تُم نے خود ہی اقرار کر لیا، کہ رسول کی اولاد میں سے امام کا ہونا جائز ہے) اَب تمہیں اپنے امام کے اثبات کی دلیل چاہیئے، تو اُنہوں نے کہا، کہ یہ ایک حدیث ہے، جو رسُول اللہ علیہ السّلام نے فرمایا ہے :- " اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ = دانا لوگ پیغمبروں کے وارث ہُوا کرتے ہیں"، تو امامیہ گروہ نے یُوں جواب دیا، کہ اِس حدیث کے معنی سے یہ مُراد ہے کہ رسُول علیہ السّلام کے حقیقی وارث کے سوا دُوسرا کوئی دانا نہیں۔ (چُنانچہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ: صرف انبیاء کے وارث ہی بحقیقت دانا ہُوا کرتے ہیں) اور دُوسرے مُسلمانوں

نے کہا، کہ جو شخص دانا ہو، تو وہی شخص رسُول کا وارث ہے، پھر فرقہ امامیّہ نے یہ جواب دیا، کہ تم ہمارے ساتھ اس بات پر متفق ہوئے، کہ رسُول علیہ السّلام کے ورثاء[1] میں سے بھی ان داناؤں کا ہونا جائز ہے، مگر ہم تمہارے ساتھ اِس بات پر مخالف ہیں، جو کہتے ہو، کہ رسُول علیہ السّلام کے ورثاء کے علاوہ بھی کوئی دانا ہے، ہمیں اس پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت ہی نہیں (کیونکہ تم خود ہی اقرار کرتے ہو، کہ رسُول علیہ السّلام کے ورثاء میں سے بھی ان داناؤں کا ہونا جائز ہے) اِس لئے تمہیں دلیل لانی چاہیئے، پس ہم نے یہ دونوں حجتیں (یعنی دلیلیں) اُمّت کے دُوسرے فرقوں پر قائم کر دیں، کہ امام رسول ہی کی اولاد سے ہونا چاہیئے۔

جو شخص آلِ محمدؐ کا محبّ[2] نہیں، اور جائز سمجھتا ہے کہ امام رسولؐ کی اولاد کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے، تو میں اِس سے یہ پُوچھوں گا کہ کیا تو مُسلمان[3] اور مومن[4] ہے؟ تاکہ وہ کہے، کہ ہاں، پھر میں سوال کروں گا، کہ تو کِس سبب سے ان ناموں کے لائق ہُوا ہے؟ تاکہ وہ یہ کہے، کہ مُسلمان اس لئے کہلاتا ہوں، کہ خُدا کے سوا جو کچھ ہے، میں نے اسے خُدا کے حوالے

---

[1] : ورثا = وارث کی جمع

[2] : مُحبّ = دوست دار

[3] : مسلمان کے لغوی معنی ہیں، تسلیم یعنی حوالہ کرنے والا

[4] مومن کے لغوی معنی ہیں، باور کرنے والا

کر دیا، اور خُدا کے سوا کسی اور کو نہیں پُوجتا ہوں، اور مومن اس معنی میں ہوں، کہ خُدا نے ثواب و عذاب کے بارے میں جو کچھ مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس پر میں نے باور کیا۔

پس میں اسے کہوں گا، کہ سارے یہود اور آتش پرست ایسے اسلام میں تیرے ساتھ برابر کے شریک ہیں، کیونکہ ان میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہیں کہتا، کہ میں خُدا کے سوا کسی اور کو پُوجتا ہوں، وہ نہ خُدا کی کسی صفت سے انکار کرتا ہے پھر اگر وہ یہ کہے، کہ میں محمد رسُول اللہ علیہ السّلام کا بھی مقرّ ہوں، اس سبب سے مومن ہوں، تو میں اس سے یہ کہوں گا، کہ سارے عرب والوں نے یہی اقرار کر لیا تھا، اور وہ یہی کہا کرتے تھے، کہ ہم سب مومن ہیں، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کے اِس قول کی تردید کر دی، اور فرمایا :-

"قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

سورہ ۴۹
آیہ ۱۴

اعرابیوں نے کہا، کہ ہم مومن ہو چکے (اے محمدؐ!) آپ ان سے کہئے کہ تم ابھی مومن نہیں ہوئے، بلکہ تم یہ کہو کہ ہم مُسلمان ہوئے جب تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہ ہو۔" پس یہ بات ثابت ہوئی، کہ ایمان وہ نہیں جس کا تو دعویٰ کرتا ہے۔

پھر اس سے میرا یہ سوال ہو گا، کہ تو ایک مسلمان کی حیثیت سے کس کو پوجتا ہے؟ تاکہ وہ یہ کہے کہ خُدا ہی کو پوجتا ہوں، پھر میں پُوچھوں گا، کہ جس خُدا کو تو پوجتا ہے، کیا تُو نے اسے دیکھا ہے؟ تاکہ وہ یہ کہے کہ خُدا دکھائی دینے والا نہیں، کیونکہ اس کی حدّ و صفت نہیں پس میرا قول یہ ہو گا کہ جس خُدا کو تُو نے دیکھا ہی نہیں، اور اس کی کوئی حدّ و صفت نہیں، پھر تُو نے اسے کس طرح پہچان لیا، تاکہ تو اس کی پرستش کر سکتا؟ وہ یہ کہے گا، کہ میں نے خُدا کو رسُول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے قول کے ذریعہ پہچان لیا، کیونکہ وہ خُدا کے بھیجے ہُوئے تھے، میں اُسے کہوں گا کہ کیا تُو نے اس رسُولؐ کو دیکھا ہے؟ وہ مجبوراً یہ کہے گا، کہ میں نے رسُولؐ کو نہیں دیکھا ہے پھر میں اسے کہوں گا، کہ رسُولؐ کی غیر موجُودگی میں تُو نے کس طرح خُدا کو پہچان لیا، تاکہ تو اس کی پوجا کر سکتا؟ وہ یہ کہے گا، کہ مجھے رسُول علیہ السّلام کے اقوال سے داناؤں نے زبانی حدیث و خبر دی ہے، میں سوال کروں گا، کہ جن داناؤں نے رسُول علیہ السّلام سے تجھے یہ حدیث و خبر دی ہے، کیا وہ دین کے سلسلے میں آپس میں متفق تھے، یا مخالف؟ وہ یہ کہہ نہ سکے گا، کہ اُمّت والے سب کے سب متفق تھے۔ کیونکہ اُمّت کے درمیان بہت سا اختلاف موجُود ہے، پس میں کہوں گا، کہ ایک ایسے گروہ کی روایت اور خبر کس طرح صحیح اور مُستند ہو سکتی ہے، جس کے افراد ایک دُوسرے کے مخالف ہوں؟ اس لئے کہ جب تجھے یہ معلوم ہُوا کہ وہ

ایک دُوسرے کے مخالف تھے۔ دریں صُورت اگر تو یہ کہتا ہے کہ اس اختلاف میں ان سب نے سچ بولا ہے، پھر تو (منطقی طور پر) سب کو جھُوٹے قرار دیتا ہے، اِس لئے، کہ جب دو مخالف آدمی یا دو مخالف گروہ) ایک دُوسرے کو جھُوٹے قرار دیتے ہوں اور اگر تُونے یہ کہا کہ وہ دونوں سچّے ہیں تو وہ دونوں ایک دُوسرے کے قول سے جھُوٹے ثابت ہو جاتے ہیں، اور کوئی اس منطقی فیصلے کی تردید نہیں کرسکے گا۔

نیز میں پُوچھوں گا کہ کیا یہ مناسب ہے (جو ہم یہ مانیں) کہ خُدا تعالیٰ نے اپنے رسُول (محمد صلعم) کو اس دَور کے سب لوگوں کے لئے (یکساں ہدایت و مساویانہ افادیت کے ساتھ) بھیجا ہے، یا نہیں؟ وہ بالضرّور کہے گا، کہ مناسب ہے، تو اسے کہوں گا کہ آنحضرت نے اپنی مُدّتِ زندگی میں ان حاضرین کو راستہ دکھایا، جو آنحضرت کے زمانے میں تھے، اور جب آنحضرت اس دُنیا سے رحلت فرما ہُوئے، تو کیا اب لوگ بغیر ہادی کے رہ گئے ہیں؟ اگر وہ یہ جواب دے کہ اللہ تعالےٰ کی کتاب ہی ہادی ہے تو میں اسے یہ کہوں گا کہ کتاب تو بولنے والے کے بغیر خود نہیں بول سکتی ہے، اور اگر وہ یہ کہے کہ بیان کرنے والے کے بغیر ہی کتاب کافی ہے، تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے انکار کر رہا ہے، چنانچہ فرمایا:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ

إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۱۶/۴۴

ہم نے قرآن آپ ہی کی طرف نازل کیا، تاکہ آپ ہی لوگوں کے لئے بیان کرے جو کچھ ان کے لئے نازل ہُوا ہے، تاکہ وہ فکر کر لیا کریں۔" پس میں کہوں گا، کہ خُدا فکر کرنے کے لئے اِس وجہ سے ارشاد فرماتا ہے، تاکہ تجھے معلوم ہو کہ جب رسُول علیہ السّلام کے زمانے میں کتاب کا بیان کرنے والا تھا، تو آج بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے، اور اللہ تعالیٰ نے رسُول سے فرمایا، کہ آپ لوگوں کے لئے کتاب بتدریج (دھیرے دھیرے) پڑھتے رہیئے، یعنی فرمایا کہ اپنے پُورے دَور میں (قیامت تک) کتاب لوگوں کو پڑھ کر سُنا کر دیتے جایئے، تاکہ وہ اسے پڑھ سکیں، جیسا کہ فرمایا :-

قولہ تعالیٰ :- وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا) ۱۷/۱۰۶

اور ہم نے قرآن میں (بتقاضائے زمانہ تنزیلی و تاویلی) مطالب کو جُدا جُدا رکھا ہے تاکہ آپ ہی قرآن کو لوگوں کے لئے بتدریج پڑھتے رہا کریں، (اور ہم نے تو اس کو اسی لئے تدریجاً نازل کیا ہے) پس اَب تدریج جاری ہے، اِس لئے چاہیئے کہ ہمارے واسطے ایک ایسا شخص قرآن پڑھا کرے، جس کو رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مقرّر فرمایا ہو، اور ایسے شخص کے قرآن پڑھنے کے یہ معنی ہیں، کہ ہمیں قرآن کی حقیقت معلوم کرائے۔

اگر وہ شخص (جس کے ساتھ بحث جاری ہے) یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حدیث ہے، جو فرمایا ہے :۔

" اِنَّمَا اَصحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّہِم اِقتَدَیتُم اِھتَدَیتُم :

میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو راہ یاب ہو جاؤ گے۔" میں اِس سے سوال کروں گا، کہ آنحضرت کے اصحاب کون سے لوگ تھے؟ تاکہ وہ کہے کہ اصحاب (ساتھی) وہ لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت کو دیکھا تھا اور ان کے ساتھ صحبت رکھتے تھے، پھر میں اسے کہوں گا کہ جن ساتھیوں کا تو ذکر کر رہا ہے، کیا وہ آپس میں مخالف تھے؟ یا متفق؟ وہ نہیں کہہ سکتا کہ متفق تھے، اِس لئے کہ ان کے آپس میں جنگ اور قتل واقع ہوا تھا، جب وہ آپس میں مخالف تھے اور ایک دُوسرے کو قتل کرتے تھے، تو یہ کِس طرح جائز ہو سکتا ہے، کہ قاتل کا پیرو سیدھے راستے پر ہو اور مقتول کا پیرو بھی اِس کے برابر رہے، یہ تو ناممکن ہے، بلکہ یہ قتل تو ایک طرف سے جائز ہوگا اور دُوسری طرف سے ناجائز، چُنانچہ جو شخص عثمان کے قاتل کا پیرو تھا، اِس کے نزدیک عثمان کا قتل جائز اور عثمان کے پیرو کے نزدیک ناجائز تھا، اور حسینؑ ابنِ علی علیہ السّلام کا قتل یزید ابنِ معاویہ.... کے نزدیک جائز اور علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام اور اس کی اولاد کے نزدیک ناجائز تھا، پس یہ کس طرح

روا ہوسکتا ہے، کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک ایسے (مخلوط اور غیر ممتاز) گروہ سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے فرمایا ہو، جس کا ایک شخص تو کسی چیز کو حرام ٹھہراتا ہے، اور اسی گروہ کا دُوسرا شخص اِسی چیز کو حلال ٹھہراتا ہے، تو کیا وہ شخص یہ کہہ سکتا ہے، کہ خُدا نے یہ نہیں جانا، کہ رسُول کے بعد ان لوگوں کی کیا حالت ہونے والی ہے، اِس لئے اِس نے رسُول سے فرمایا کہ خلقِ خُدا کو ان لوگوں کے حوالے کر دیں، یہاں تک کہ شک اور اختلاف میں خُدا کی مخلوق ہلاک ہوجائے، پس اِس حدیث کی دو امکانی صُورتوں میں سے صرف ایک ہی صُورت ناگزیر ہے، کہ یہ حدیث یا تو رسُول سے نہیں ہے یا یہ گروہ جس کا اگر رسُول نے ذکر فرمایا ہو تو وہ گروہ نہیں، جس نے کوئی خلاف ورزی کی ہو۔

اگر وہ یہ کہتا ہے، کہ وہ شخص جس کو مُسلمانوں نے امام مقرّر کر لیا، حقیقی امام تھا اور اس کی فرمانبرداری واجب تھی، اِس لئے کہ رسُول علیہ السّلام کی حدیث ہے :-

"لَا یَجْتَمِعُ اُمَّتِی عَلَی الضَّلَالَۃِ :

میری اُمّت گمراہی پر جمع نہ ہوگی"۔ میں اس شخص سے یوں کہوں گا، کہ امام (اس شخص کا نام ہے، جو) رسُول کا جانشین ہُوا کرتا ہے، پس اگر خُدا تعالیٰ نے پیغمبر کو اُمّت کی پسند پر بھیجا تھا، تو اُمّت کے لئے یہ جائز ہے، کہ وہ اپنی ہی مرضی سے پیغمبر کے مقام پر کسی شخص کو مقرر کرے، اور اگر پیغمبر

صرف خُدا ہی کی مرضی سے ہُوتے ہیں، نہ کہ لوگوں کی مرضی سے، تو رسُول کا جانشین بھی خُدا ہی کے امر سے ہونا چاہیئے، نہ کہ اُمّت کی پسند پر، چُنانچہ اللہ تعالیٰ اِس آیت میں جو کچھ فرماتا ہے، وہ اس قول کی حقّانیت کی گواہی ہے، قولہ تعالیٰ: "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۳۳/۳۶ کسی مومن اور کسی مومنہ کے لئے یہ درست نہیں ہے، جبکہ اللہ اور اس کا رسُول کوئی امر فیصل کریں کہ پھر ان مومنین کو اپنے کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔" پس ثابت ہُوا کہ امامت خُدا تعالیٰ کے فرمان کے سوا درست نہیں ہوتی ہے۔

اگر اس شخص کا قول یہ ہو کہ جو لوگ خلافت پر متمکن ہُوئے، وہ رسُول ہی کے فرمان سے ہُوئے تھے (تو ہم یہ جواب دیں گے کہ) اگر وہ رسُول کے فرمان سے خلیفہ ہُوئے ہوتے، تو یہ لازمی امر تھا، کہ وہ شرف و عزّت، جو خُدا اور رسُول سے ان کو حاصل ہُوئی تھی، ان کی اولاد میں بھی قیامت تک باقی رہ سکتی (اور ان کو ماننے والی) مخلوق بے سر و سرکار نہ ہو جاتی، جب ان سے وہ شرف چلا گیا، تو ہمیں یہ دلیل ملی کہ اُنہوں نے جو کچھ کیا، وہ خُدا اور اس کے رسُول کے فرمان پر نہیں کیا۔

نیز میں یہ کہوں گا، کہ ممکن نہیں کہ مخلوق بذات خود سیدھا راستہ دیکھ پائے، اور جو شخص یہ کہتا ہے، کہ میں خود ہی اپنی بہتری جانتا

ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اِس شخص کو ردّ کر دیا ہوگا، اِس لئے کہ اگر خُدا تعالیٰ کے علم میں یہ ممکن ہوتا، کہ لوگ بذاتِ خود سیدھا راستہ دیکھ پا سکتے ہیں، تو اس کا کوئی پیغمبر بھیجنا مناسب ہی نہ ہوتا، اور جب اس نے پیغمبر بھیجا، تو ثابت ہُوا، کہ لوگ گُمراہ تھے، اور اس بات کی دلیل کہ کوئی شخص کسی رہنما کے بغیر بذاتِ خود خُدا کی پہچان کے سلسلے میں سیدھا راستہ حاصل نہیں کر سکتا، یہ ہے کہ آدم علیہ السّلام نے اپنے اختیار سے بہشت کے ایک ایسے درخت کا پھل کھایا، جس کا پھل کھانا اسے جائز نہیں تھا، مگر اس نے اسی میں اپنی بہتری سمجھی جس میں خُدا کی ناراضگی پوشیدہ تھی، جس کی وجہ سے وہ بہشت سے نکال دیا گیا، دُوسری دلیل یہ ہے کہ نوح علیہ السّلام نے اپنے اختیار سے اپنے بیٹے کو کشتی میں بُلایا، اور کہا:

"یَا بُنَیَّ ارْکَب مَّعَنَا وَلَا تَکُن مَّعَ الْکَافِرِینَ" ۱۱/۴۲

اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا، اور کافروں کے ساتھ مت ہو جا۔" نیز نوح علیہ السّلام نے مناجات کی، کہ میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور آپ کا وعدہ بالکل سچّا ہے، چُنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

"اِنَّ ابْنِی مِنْ اَھْلِی وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ" ۱۱/۴۵

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اِس کے اس قول کو مُسترد کر دیا، جیسا کہ فرماتا ہے :-

"یَا نُوحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ ج اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ
صَالِحٍ ۱۱/۴۶

اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں، کیونکہ اس نے اچھا کام نہیں کیا۔"

اِس بارے میں تیسری دلیل کہ (دینی معاملات میں) لوگوں کے اپنے اختیارات درست نہیں، یہ ہے، کہ ابراہیم علیہ السّلام نے جب ایک ستارے کو دیکھا، تو کہا، کہ یہ میرا خُدا ہے، اور اس نے جب چاند کو دیکھا، تو کہا کہ یہ میرا خُدا ہے، پھر جب اِس نے سُورج کو دیکھا، تو کہا کہ بس یہ میرا خُدا ہے، جو سب سے بڑا ہے، یہاں تک کہ اخیر میں اسے معلوم ہُوا کہ جو کچھ وہ گمان کرتا تھا، وہ غلط ہی تھا۔

اِس بارے میں چوتھی دلیل، کہ لوگوں کے اپنے اختیارات (دینی معاملات میں) غلط ہو جاتے ہیں، یہ ہے کہ جب مُوسیٰ علیہ السّلام "سینا" کے پہاڑ پر گیا، تو اس نے بنی اسرائیل کو راستے میں اپنے پیچھے چھوڑا، اور وہ ان سے پیشتر مناجات کرنے کے لئے آیا جس پر اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا، کہ تُو نے اپنی قوم سے پہلے یہ جلدی کیوں کی؟ جیسا کہ ارشاد ہے، قولہ تعالیٰ :-

وَمَا اَعْجَلَکَ عَنْ قَوْمِکَ یَا مُوْسٰی ۲۰/۸۳

ان مثالوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کو آگاہ کرنا چاہتا ہے،

کہ (اپنے اختیار سے) تونے جو کچھ کیا وہ درست نہیں، کیونکہ اس آیت کے بعد فرماتا ہے:-

"قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۲۰/۸۵

تیری قوم کو تیرے بعد ہم نے آزمایا، اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا"

نیز موسیٰ علیہ السّلام نے باختیار خود خدا تعالیٰ سے عرض کی، کہ مجھے آپ دکھائی دیں تاکہ میں آپ کو دیکھوں، اور یہ اس کی غلطی تھی، جبکہ حالت یہی ہے کہ پیغمبروں نے جو کچھ اپنی رائے سے کیا، تو وہ سرے ہی سے غلط کیا، پھر اُمّت کے لئے یہ زیادہ ممکن ہے، کہ وہ اپنے اختیارات سے جو کچھ بھی کرے تو غلط ہی کرے گی۔ اور اسے ہرگز کوئی اچھا بدلہ نہیں ملے گا۔

پس ہم نے یہ ثابت کر دیا، کہ اُمّت کا اختیار غلط ہو جاتا ہے، اور یہ حدیث جو رسُول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے نقل کرتے ہیں، کہ میری اُمّت گمراہی پر جمع نہ ہوگی دو حالات سے باہر نہیں کہ یہ حدیث یا تو صحیح نہیں یا آنحضرت کی اُمّت بحقیقت وہ لوگ ہیں، جن میں گمراہی نہیں پائی جاتی ہے، اور وہ ائمّہ برحق ہیں، نہ کہ جاہل عوام۔

اَب ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ تمام مُسلمان فرقوں میں سے وہ گروہ حق پر ہے، جس کے ساتھ دُوسرے سب فرقے مخالف ہیں، اور وہ گروہ

بھی دُوسرے تمام فرقوں کا مخالف ہے اور اس حق بات کی گواہی رسُول علیہ السّلام کی اس حدیث سے ظاہر ہے، جو فرمایا کہ :۔

" سَيَفتَرِقُ اُمَّتِی بَعدِی ثَلٰثَۃٍ وَسَبعُونَ فِرقَۃً واحِدۃٌ مِنھَا نَاجِیہ وَسَائِرُھَا فِی النَّارِ :

میرے بعد میری اُمّت تہتّر ۷۳ فرقوں میں متفرّق ہوگی، ان میں سے صرف ایک ہی فرقہ ناجی و رستگار ہوگا، اور باقی سب کے سب آگ میں ہوں گے "۔ یہ حدیث بس اس امر پر دلیل کرتی ہے کہ بہتّر ۷۲ فرقے اِس ایک فرقے کے مخالف ہیں، اور (اس فرقے کی مخالفت کے لئے) وہ سب آپس میں متفق ہیں، تاکہ یہی ایک فرقہ اُس عالم میں پہنچ کر اِس نظریئے کی بدولت سب سے ممتاز ہو جائے، جس کی وجہ سے یہ ایک ناجی ہو کر دُوسرے سب پھنس رہے ہوں، اور مُسلمانوں کے بہتّر ۷۲ فرقوں میں کوئی ایسا فرقہ نہیں، جس کو کافر قرار دیا جاتا ہو، سوائے یہی ایک امامیّہ گروہ کے جس کا کہنا ہے، کہ وہ امام جو رسُول صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی ذرّیت سے ہیں، دُنیا میں زندہ اور حاضر ہیں، اور آئندہ امامت بھی اِسی کی اولاد میں رہے گی۔

دُوسرے تمام فرقے یوں کہا کرتے ہیں، کہ اس قوم کو قتل کر دینا واجب ہے کیونکہ ہم سب مُسلمان ہیں اور یہ گروہ کافر ہے، پھر جب کہ مُسلمانوں کے بہتّر ۷۲ فرقوں کے نزدیک یہی ایک امامیّہ گروہ سارے

لوگوں سے بُرا ہے، تو یہ اِس حقیقت کی دلیل ہُوئی، کہ یہی امامیّہ گروہ ہی ناجی ہے اور اس دعویٰ کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوسکتی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ دوزخیوں کے بارے میں ذکر کرتے ہُوئے فرماتا ہے، کہ وہ قیامت کے دن یوں کہا کریں گے :۔

"وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ" ۳۸/۶۲

اور دوزخی لوگ دوزخ میں یہ کہا کریں گے کہ کیا ہُوا ہے، کہ ہم ان لوگوں کو دوزخ میں نہیں دیکھ پاتے، جن کو ہم بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔" جب آج ساری اُمّت کے نزدیک امامیّہ گروہ سے بدتر اور کوئی گروہ نہیں، تو ثبوت ملا کہ قیامت کے دن یہ قوم دوزخ میں نہ ہوگی، اور یہ ایک روشن دلیل ہے۔

نیز میں کُچھ عقلی بحث کروں گا، اور اِس پر خُدائے عزّوجل کی کتاب سے دلیل پیش کروں گا، کہ دُنیا کی سب چیزیں فضیلت و شرافت میں ایک دُوسرے سے بڑھ کر ہیں، اور چیزوں کی یہ فضیلت و شرافت جو ایک دُوسرے پر رکھتی ہیں، صرف انسان ہی سمجھ سکتا ہے، اس لئے کہ دُنیا میں انسان سے زیادہ اشرف کوئی اور چیز نہیں ہے۔ چُنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

"وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا" ۱۷/۷۰

اور ہم نے آدم کی اولاد کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت (فوقیت) دی ۔ بنی آدم کی یہ فضیلت و شرافت علم کی وجہ سے ہے اور جمادات پر نباتات کی فوقیت یہ ہے، کہ نباتات جمادات سے اپنے فائدے کو جذب کر سکتی ہیں، اِسی لئے وہ لازماً ایک حد تک زندہ ہیں، لیکن ناسمجھ جمادات بے جان پڑے ہوئے ہیں، اور نباتات اتنی سی سمجھ کی بدولت، جو اسے مل گئی ہے، انسان کے نزدیک قابلِ قدر ہوتی ہیں، اس لئے کہ نباتات کو انسان کے ساتھ اسی سمجھ کی وجہ سے کسی قدر ہم جنسیت حاصل ہوئی ہے، حیوان کو نباتات سے زیادہ سمجھ ملی ہے، کہ وہ اپنے دشمن کو پہچانتا ہے، اور گرمی و سردی سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے، لازماً وہ نباتات پر بادشاہ ہوا ہے، کیونکہ ان کی سمجھ حیوان کی سمجھ سے کم ہے، اور انسان نے، جو ان دونوں پر فوقیت رکھتا ہے، حیوان کو نباتاتی غذاؤں میں اپنے ساتھ شریک کر دیا ہے، اِس لئے کہ حیوان سمجھ کے اعتبار سے انسان کے بہت نزدیک ہے، اور انسان ایک ایسی مزید دانش کی بدولت حیوان پر فوقیت رکھتا ہے، جو صرف اسی کو ملی ہے، چنانچہ وہ اسی قوت کے ذریعہ جو اس کے نفس ناطقہ میں ہے، کسی ظاہر چیز کی پوشیدہ حقیقت کو سمجھ سکتا ہے، لیکن حیوان میں یہ دانش نہیں۔

اس قول کی تشریح یہ ہے، کہ جب انسان کسی ایسے (دشمن) شخص

کو دیکھتا ہے، کہ تیر و کمان کے ساتھ تیار ہے اور اِس نے تیر کو تانت میں رکھا ہے، تو وہ ضرور سمجھ لے گا، کہ وہ تیر و کمان والا دُور ہی سے اِس پر تیر چلا سکتا ہے" نیز وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے، کہ اب کس چیز سے ڈھال کا کام لینا چاہیئے، تاکہ وہ اس کے ذریعہ زخمی ہونے سے بچ سکے، اب اس تیر انداز کے اس فعل کو، کہ وہ دُور ہی سے تیر و کمان کے دو آلات کے ذریعہ مار سکتا ہے۔ نیز انسان کے دُوسرے پوشیدہ ہتھیاروں کو بھی نفس ناطقہ کے سوا اور کوئی مخلوق پہچان نہیں سکتی ہے۔

پس حیوان کی سمجھ پر انسان کے علم و فضل کی فوقیت یہ ہے، کہ اِنسان چیزوں کی ظاہریّت سے ان کی پوشیدہ حقیقتیں معلوم کر سکتا ہے۔ لیکن حیوان چیزوں کی ظاہریت کے سوا کچھ نہیں جانتا، اور اِنسان اِسی دانش کے سبب سے مویشیوں اور حیوانوں پر حکمرانی کرتا ہے، اور (محض اسی دانش کے تقاضے سے) اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی طرف پیغمبر اور کتاب بھیجی ہے، اور چیزوں کی ظاہریّت سے انکی پوشیدہ حقیقتوں کو معلوم کر لینا غیب دانی (علم غیب) کی مثال ہے اور غیب دانی دراصل خدا ہی کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۱۱/۱۲۳

آسمانوں اور زمینوں کی غیب دانی خدا ہی کو ہے۔" پس جس شخص کے پاس ظاہر چیزوں کا پوشیدہ علم زیادہ ہو تو وہی شخص خدا کے زیادہ نزدیک ہے، چنانچہ جب حیوان کی سمجھ نباتات کی سمجھ سے بڑھ کر تھی

تو اِنسانوں نے اسے اپنی طرف نزدیک تر کر دیا ہے، اور انہوں نے اپنی خوراک سے اس کے لئے ایک حِصّہ مقرر کر دیا ہے، اور جو شخص زیادہ دانا ہے، تو وہی شخص خُدا کا خوف زیادہ رکھتا ہے، چُنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰٓؤُا" ۳۵/۲۸

خُدا سے اِس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو دانا ہیں" اور جو شخص خُدا کا خوف زیادہ رکھتا ہے، تو وہی شخص خُدا کے زیادہ نزدیک ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

"اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُم" ۴۹/۱۳

اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا معزز وہی شخص ہے، جو تم سب سے زیادہ خُدا کا خوف رکھتا ہے۔"

پس ہم نے ثابت کر دیا، کہ جو شخص علمِ غیب زیادہ جانتا ہے، وہی شخص خُدا کے زیادہ نزدیک اور زیادہ معزّز ہے، جب ہم نے یہ حال بیان کیا، تو اَب سُنیئے کہ اُمّت میں سے وہ گروہ خُدا کے زیادہ نزدیک ہے، جو خُدا کی کتاب اور رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شریعت کے پوشیدہ معنوں کو جانتا ہے، اور ان معنوں پر دانش سے عمل کرتا ہے، اِس لئے کہ دانش سے کام کرنے کو "حِکمت" کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا، کہ اُمّت کو حِکمت سکھا دی جائے، چنانچہ اِرشاد ہے :-

"وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۶۲/۲

ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔" پس جو کوئی شریعت کا عمل دانش سے کرے، تو وہی حکیم ہے، اور جس شخص کو حکمت مل گئی ہو، تو اس کو بہت سی بھلائی اور بہت سی منفعت مل گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

"وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۲۶۹/۳

اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو حکمت مل جائے، اس کو بہت سی خیر مل گئی۔" ساری اُمّت میں (سوائے امامیّہ گروہ کے) کوئی ایسا گروہ نہیں جو قرآن و شریعت کی حقیقتوں کو طلب کرتا ہو، مگر وہ سب کتاب و شریعت کی ظاہریّت ہی پر ٹھہرے ہوئے ہیں، اور محض چیزوں کی ظاہریّت ہی جاننا جانوروں کا کام ہے، پھر جو کوئی صرف قول کی ظاہریّت ہی پر عمل کرتا ہے، تو اس نے گویا جانور ہی کے درجے پر اکتفا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے گروہ کے بارے میں جو چیزوں کی ظاہریّت کے سوا کچھ نہیں جانتا، اس آیت کے بموجب ارشاد فرماتا ہے :-

"يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۳۰/۷

وہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر ہی کو جانتے ہیں، اور

وہ لوگ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں۔"

پس لوگوں پر ان اسرار کا طلب کرنا واجب ہے، جو شریعت میں پوشیدہ ہیں، اور اس کے ظاہر پر دانش سے عمل کرنا ایسا ہے، جیسے انسان خود اس دُنیا میں ظاہر ہے، اور وہ اسی ظاہر دُنیا میں اُس پوشیدہ عالم کو ڈھونڈھ پاتا ہے[1] اور اگر لوگ شریعت کے ظاہر سے اس کی حقیقتوں کی تلاش نہ کریں، اور صرف شریعت کے ظاہر ہی پر ٹھہرے رہیں تو ان کی مثال ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو اس دُنیا کے ذریعہ (یعنی بروقت اور اسی دُنیا میں ہوتے ہُوئے) آخرت کو طلب نہیں کرتا ہے، اور وہ اس جہان میں زیاں کار رہتا ہے کیونکہ ایسے لوگوں سے یہ دُنیا تو گزر ہی جائے گی اور وہ پوشیدہ عالم اُنہوں نے حاصل کیا ہُوا نہ ہوگا۔

جب اِس فصل کا بیان ہو چکا، تو اَب میں اِنشاء اللہ تعالیٰ اپنے رُوحانی بھائیوں اور عزیزوں کے لئے اِس کتاب میں ان اقوال اور شرعی بُنیادوں کی تشریح کروں گا جو شریعت، شہادت، طہارت، زکوٰۃ، صدقات، صلوٰۃ، جزیہ وغیرہ اور ان کے لوازم کے متعلق ہیں، نیز ہر اس قول و فعل

---

[1] : یعنی جس طرح اِنسان کو عالمِ ظاہر میں رہتے ہُوئے عالمِ باطن کی حقیقتوں کی تلاش لازمی ہے، اِسی طرح شریعت کے ظاہر سے اس کا باطن حاصل کرنا ضروری ہے۔ (مترجم)

کی حقیقت بیان کردوں گا، جو اصُولِ دین میں سے ہے، تاکہ مومنین، دینِ اسلام کے چہرے کو دیکھ سکیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اِس نیک نیّت کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے! اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو ہوشیاری نصیب ہو! تاکہ وہ یہ گمان نہ کریں، کہ جب اُنہوں نے شریعت کے باطن کو سمجھ لیا، تو اس پر عمل کرنا ان سے ساقط ہوگیا، بلکہ وہ اس پر اس وقت زیادہ عمل کرتے رہیں، جبکہ وہ اس کے باطن جانتے ہوں۔

والسّلام

کلامِ م - ۳

علم یعنی دانش کے بارے میں کہ وہ کیا ہے

سب سے پہلے مومن کو یہ جاننا چاہیئے، کہ علم (کی تعریف) کیا ہے، تاکہ وہ جب اس کو پہچان لے، تو اسے حاصل بھی کر سکے گا، کیونکہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کو نہ پہچانے، تو وہ اس چیز تک ہرگز رسا نہیں ہو سکتا، پس (علم کی تعریف کے بارے میں) میرا کہنا یہ ہے کہ: چیزوں کو ان کی حقیقی حالت کے مطابق معلوم کرنے کا نام علم ہے، اور چیزوں کو انکی حقیقی حالت کے مطابق معلوم کر لینے والی (قوّت) عقل ہی ہے، پس علم عقل کے گوہر میں ہے (یعنی علم رُوحانیت کی اِس اعلیٰ ترین مثال میں پایا جاتا ہے، جو بارہ پہلوؤں کے ایک لعل کی صُورت میں پیش کی جاتی ہے) اور عقل کی گواہی باری سُبحانہٗ تعالیٰ کا وہ کلمہ ہے، جس کے تحت تمام رُوحانی وجسمانی مخلوقات موجُود ہیں (یعنی جب گوہر عقل کے بارہ پہلوؤں سے بارہ قسم کی رُوحانی تعلیمات دی جاتی ہیں، تو ہر تعلیم کے ساتھ ساتھ کلمہ باری کی ایک تصدیق بھی مِلتی جاتی ہے، کیونکہ گوہر عقل کی یہ تعلیمات رموز واشارات

پر مبنی ہیں اور کلمۂ باری ہی ان سب کی گواہی دیتا ہے اور تصدیق کرتا ہے)
اور جو کچھ علم کے تحت نہ آتا ہو، تو اسے ہست (موجود) نہیں کہنا چاہیئے، پس
خُدا کے سوا سب کچھ علم کے گھیرے میں پایا جا سکتا ہے، اور جب یہ جائز
نہیں، کہ خُدا تعالیٰ بھی علم کے تحت ہو، کیونکہ علم وہ ہے کہ ساری چیزیں اور
ہستیاں اس کے تحت پائی جاتی ہیں، نیز "نیست" بھی اس کے تحت ہے،
تو جائز نہیں، جو میں یہ کہوں کہ خُدا ہے، یا یہ کہوں کہ خُدا نہیں ہے، کیونکہ
یہ دونوں حالات (ہست و نیست) علم کے تحت ہیں لیکن خُدا علم کے تحت نہیں۔

پس میں (خُدا کی حقیقت کے بارے میں) یہ بتاؤں گا، کہ امر کا
محض ہی خُدا ہے، اور جس شخص کو (دُوسروں کے مقابلے میں) علم کا زیادہ
حصّہ ملا ہے، تو وہی شخص خُدا کے امر کے زیادہ نزدیک ہے، اور اسی
شخص نے خُدا کے امر کو زیادہ قبول کر لیا ہے، اور وہی شخص (دوسروں سے)
زیادہ فرمانبردار ہے، اور جو شخص زیادہ دانا ہو، وہی شخص خُدا کا زیادہ فرمانبردار ہو جاتا ہے اور
جو شخص مکمّل طور پر دانا ہو، تو وہی شخص دائمی نعمت کو حاصل کر سکتا ہے، چونکہ دانا کے
کاموں کا انجام خُدا کی رحمت ہے، اِنسان اِس کائنات کی دُوسری تمام مخلوقات کی تکمیل
کے بعد پیدا ہُوا ہے، اور اس کی جائے واپسی امرِ کُلّ ہے، جو دونوں جہاں کی علّت (یعنی
سببِ پیدائش) ہے، اور قانُون یہ ہے، کہ تمام چیزیں اپنی اصل ہی کی طرف رجُوع
کر جاتی ہیں، بھائیو! تم حصُولِ علم کے سلسلے میں کوشش کرتے رہو، تاکہ جس سے تم
خُدائے برتر و بُزرگ کے زیادہ نزدیک ہو سکو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو علم ہی ہے۔

کلام-۴

لطیف رُوحانی عالم کے بارے میں

جب ہم نے یہ واضح کر دیا کہ سب سے پہلے جو چیز پیدا ہُوئی، وہ باری تعالےٰ کا امر ہے، اور ہم نے اس قول کی سچّائی پر یہ دلیل پیش کر دی، کہ ساری چیزیں علم کے تحت ہیں، تو اس سے یہ لازم آتا ہے، کہ سب سے پہلے علم ہی موجُود ہُوا ہے (کیونکہ علم جو گوہرِ عقل میں ہے، تمام موجُودات سے برتر اور مقدم ہے، اور عقل کی گواہی کلمہ" باری یعنی امر کُلّ ہے، لہٰذا امر اور علم (عقل) دونوں تمام موجودات سے برتر اور مقدم ہیں)

اَب اس حقیقت کا بیان کیا جاتا ہے، کہ پہلے باری سُبحانہ کے امر سے رُوحانی عالم وجُود میں آیا ہے، پھر اُس عالم سے یہ کائنات پیدا ہُوئی ہے، اور توضیح کی جاتی ہے کہ وہ عالم دانا، مکمّل، پائندہ اور لطیف ہے یعنی وہ عالم سرتاسر روح اور دانش ہی ہے۔

اب اِس حقیقت کی دلیل کہ پہلے رُوحانی عالم موجُود ہوا، اور اس

کے بعد یہ کائنات پیدا ہوئی، یہ ہے، کہ یہ جسمانی عالم ایک حالت سے دُوسری حالت میں بدل جانے والا واقع ہُوا ہے، اور اس تبدیلی کے ذریعہ از قسم معدنیات، نباتات اور حیوانات، بہت سی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جن میں (کسی فاعل کا) قصد و منشاء اور مُراد کی علامتیں پائی جاتی ہیں (یعنی دُنیا کی چیزوں پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اِتفاقیہ اور بلا قصد حادثہ اور ناخواستہ تصادم کے نتیجہ میں بکھری ہوئی پڑی نہیں ہیں، بلکہ ہر چیز کو کسی حکیم کاریگر نے ایک خاص ارادی شکل و ساخت میں کسی نہ کسی کام کی غرض سے پیدا کی ہے، پس قصد ہر چیز کی شکل و ساخت ہی ہے، اور "مراد" اِس شکل و ساخت کا فعل ہے) چُنانچہ نباتات اُگتی رہتی ہیں، جن پر حیوانات کا قیام ہے، اور انسان پیدا ہوتے ہیں، جو نباتات اور حیوانات دونوں کی حفاظت کرتے ہیں، اگر انسان نہ ہو تو ساری نباتات اور حیوانات کا خاتمہ ہو گا۔

پس ہمیں معلوم ہُوا، کہ ان چیزوں میں یہ "قصد" اِس دُنیا کی طرف سے نہیں ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے، کہ یہ "قصد" طبائع کی طرف سے ہے، تو اس کا مطلب یہ ہو گا، کہ یہی دُنیا خود "قصد" بھی ہے، اور خود "مراد" بھی، مگر یہ دونوں باتیں ایک دُوسرے کی منافی ہیں، جب یہ معلوم ہُوا، کہ اِس دُنیا کی خلقت و صنعت میں جو کچھ "قصد" پایا جاتا ہے، وہ اُس جہان کا ہے، تو ہم نے اُس "قصد" والے (یعنی منشاء والے) کو بھی عالم کہا، جس کی وجہ یہ ہے، کہ ایک ایسی چیز دُوسری چیزوں میں قصد کی کوئی صُورت پیدا کر سکتی

ہے، جس کی مناسبت و مشابہت ان مقصود چیزوں کے ساتھ ہو۔

پس ہمارے مذکورہ بیان کے بموجب یہ لازم آتا ہے، کہ وہ عالم (جس کا فعل یہ دُنیا ہے) ایک اعتبار سے اس دُنیا سے ملتا جلتا ہے، جب اِس دُنیا میں علم سے بڑھ کر کوئی شے اشرف نہ تھی، تو ہم نے اس کا یہ نتیجہ نکالا، کہ وہ جہان دانش حاصل کرنے والا بھی ہے، اور دانش دینے والا بھی؛ اور جب اس دُنیا میں دانش حاصل کرنے والی تو رُوح ہی تھی اور دانش دینے والی عقل ہی تھی، تو ہم نے اس وجہ سے کہا، کہ وہ عالم سرتاسر عقل و رُوح ہی ہے، اور دُوسری کوئی چیز ہرگز نہیں، اِس لئے کہ دُنیا میں بس یہی دو اصیل چیزیں پائی جاتی ہیں۔

(چُنانچہ کائنات کی تمام چیزیں فائدہ بخشی اور فائدہ پذیری کے اعتبار سے دو حِصّوں میں منقسم ہیں، یا یہ کہنا چاہیئے کہ ہر چیز اگر ایک طرف سے فائدہ بخش ہے، تو دُوسری طرف سے فائدہ پذیر ہے، اور ان دو قسم کی چیزوں یا کہ دو حیثیتوں کے سوا دُنیا میں اور کوئی شے نہیں ہے مثلاً:-) آسمان فائدہ دینے والے ہیں اور طبائع فائدہ لینے والی ہیں، طبائع فائدہ دینے والی ہیں، اور نباتات فائدہ لینے والی ہیں، نباتات فائدہ دینے والی ہیں، اور حیوانات فائدہ لینے والے ہیں، حیوانات فائدہ بخش ہیں، اور اِنسان فائدہ پذیر ہیں، استاد فائدہ دینے والا ہے، اور شاگرد فائدہ لینے والا ہے، پیغمبر فائدہ دہندہ ہے، اور اُمّت فائدہ پذیر ہے، حیوانات میں سے نر فائدہ دینے والا ہے، اور مادہ فائدہ لینے والی ہے، صانع فائدہ بخش ہے، اور

مصنوع فائدہ پذیر ہے۔

جب یہ معلوم ہُوا کہ یہ عالم مجموعی طور پر فائدہ پذیر ہے، کیونکہ یہاں جو کچھ معدنیات، نباتات اور حیوانات پیدا ہو جاتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی عناصر کی ذات میں نہیں پائی جاتی ہے، سو ہم نے کہا، کہ یہ سب کچھ عالمِ رُوحانی ہی پیدا کرتا ہے، اور وہی فائدہ دہندہ ہے، پھر ہم نے یہ نتیجہ نکالا، کہ وہ جہاں اپنی کلیّت و خودی میں دو قسم کا ہے، ایک قسم فائدہ دہندہ ہے، اور وہ عقل ہے، اور دُوسری قسم فائدہ پذیر ندہ ہے، جو نفس ہے، جب ہمارے علم میں یہ آیا، کہ یہ جہان (مجموعی حیثیت سے) فائدہ پذیر ہے، تو معلوم ہُوا کہ وہ عالم (مجموعی حیثیت سے) فائدہ بخش ہے، پھر اس کا نتیجہ یہ ہُوا، کہ وہ عالم اس عالم سے بیشتر موجُود ہُوا ہے اور، ہم اس پہل کو تقدمِ زمانی نہیں کہیں گے بلکہ تقدمِ شرفی کہیں گے (یعنی وہ عالم اس دُنیا سے وقت کے لحاظ سے پہلے نہیں، بلکہ فضل و شرف کے اعتبار سے پہلے ہے) چُنانچہ استاد کو شاگرد پر تقدّمِ شرفی حاصل ہے، جبکہ کسی تقدیم و تاخیر کے بغیر ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں سکھانے والے کا نام استاد اور سیکھنے والے کا نام شاگرد لازم آتا ہے۔

اَب ہم اِس بارے میں دلیل پیش کریں گے، کہ وہ عالم دانا ہے، چُنانچہ اس کائنات میں حکیمانہ کاریگری کے نِشانات ظاہر ہیں (مثلاً:) آسمانوں کی ساخت، جو ایک مکمّل ترین اور موزوں ترین شکل میں ہے، جو

گول شکل ہے، نیز چار طبائع کی مناسبت، کہ اگر ہر ایک طبع کی دُوسری کے ساتھ ایک وجہ سے مخالف ہے، تو دُوسری وجہ سے مناسبت بھی ہے، تاکہ اس (مخالفت و مناسبت) کے ذریعہ فائدہ حاصل ہو، چار طبائع سے مُراد آگ، ہوا، پانی، اور مٹّی ہیں، آگ گرم اور خشک اور مٹّی سرد و خشک ہے، یہ دونوں خُشکی میں ایک دُوسرے کے ساتھ موافق، اور گرمی و سردی میں مخالف ہیں، ہوا گرم و تر اور پانی سرد و تر ہے، یہ دونوں تری میں باہم موافق، اور گرمی و سردی میں مخالف ہیں، ہم نے اِس کی تشریح ایک اور کتاب (زاد المسافرین) میں کی ہے۔

جب کاریگری سے بنائی ہُوئی اِس کائنات میں حکمت ظاہر ہے، اور ہم نے (اس سلسلے میں جب یہ) ثابت کیا، کہ اس کا کاریگر (یعنی) وہ جہان (اس کائنات سے) پیشتر ہے، تو ثابت ہُوا کہ وہ جہاں دانا ہے (اب) ہم اس بارے میں دلیل لائیں گے، کہ وہ جہان مکمّل ہے، پس توضیح کی جاتی ہے کہ ہمیں یہ عالم نامکمّل نظر آتا ہے، اِس لئے کہ یہاں اس عالم سے بہتر چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، چُنانچہ حیوان پیدا ہوتا ہے، جو اس عالم سے بہتر ہے، اِس لئے کہ یہ عالم چار طبائع کی باہمی رفاقت سے منظّم ہُوا ہے، لیکن اِنسان اور حیوان چار طبائع کی باہمی رفاقت سے نہیں، بلکہ ان کی باہمی آمیزش سے منظّم ہُوئے ہیں، پس اگر دو ساتھ رہنے والی چیزوں کو (ان کی باہمی رفاقت کی وجہ سے) منظّم کہنا شایان ہے، اور اِس تنظیم میں ان دونوں کے لئے نیکی اور بہتری ہے، پھر جب ان کی قطعی آمیزش ہو جائے تو انہیں زیادہ منظّم

کہنا شایان ہوگا، اور اس تنظیم میں زیادہ نیکی اور بہتری ہوگی۔

حیوان جسم کے اعتبار سے لازماً اس عالم کے مانند ہے، کیونکہ (جسم) طبائع ہی کا بنا ہُوا ہے، مگر حسّی فیصلہ کرنے والی رُوح کے اعتبار سے وہ اس عالم اور دُنیائے طبائع پر فضیلت رکھتا ہے، پس اس کا یہ ثبوت ہُوا کہ اس عالم سے حیوان زیادہ مکمّل ہے، کیونکہ اس کی رُوح ہے، اور اس عالم کی رُوح نہیں، جب ہم نے اس نامکمّل عالم سے ایک مکمّل چیز (کا پیدا ہونا) دیکھا، تو ہم کو معلوم ہُوا کہ کسی دُوسرے مکمّل (فاعل) کی عنایت کے بغیر نامکمّل (دُنیا) سے یہ چیز پیدا نہیں ہوسکتی، اور جب ہم نے یہ ثابت کر دیا تھا، کہ اس کائنات میں کاریگری اُس عالم کی ہے، تو ہم نے (اس بناء پر) کہا کہ وہ عالم جس کی کاریگری میں کمال پایا جاتا ہے، لازماً مکمّل ہے، اور جو کچھ مکمّل ہو وہ باقی رہ سکتا ہے۔

اِس بات کی دلیل کہ وہ عالم باقی ہے، یہ ہے کہ جب ہمارے مشاہدے میں یہ آتا ہے، کہ یہ کائنات ایک حالت سے دُوسری حالت میں بدلتی رہتی ہے، (تو یہی اس کی تبدیلی اس کی جزوی فنا ہے، کیونکہ) کسی موجود کی حالت کا اس معنی سے بدل جانا، جسے وجود کہتے ہیں، فنا ہی کی حقیقت ہے، اور جو چیز جزوی طور پر فنا ہوتی ہو تو لازم آتا ہے، کہ وہ ایک دن کلّی طور پر فنا ہوگی، اور اس دُنیا میں فنا کی بہت سی قسمیں (جاری) ہیں، جیسے اضداد کا آپس میں بدل جانا، جیسے زِندہ کا مرجانا، تاریک کا روشن ہوجانا،

خُوشبو کا بدبُو ہو جانا، وغیرہ اور یہ سب فنا کی دلیلیں ہیں، اِس لئے کہ فنا بقا کی ضد ہے، جس طرح تاریکی روشنی کی ضد ہے، اور عدم (نیستی) وجُود (ہستی) کی ضد ہے، پس یہ جزوی فنائیں، اِس عالم کی کُلّی فنا کی نشاندہی کرتی ہیں، جب اس مصنوع کے لئے فنا لازمی ہُوئی تو اُس عالم کے لئے بقا لازمی ہُوئی، جو اس کا صانِع ہے، اِس لئے کہ صانع مصنوع سے اشرف ہے، جس طرح بقا، فنا سے اشرف ہے، اور اس عالم میں کاریگری (تخلیق) عارضی ہے، اور اِس جہاں کا قیام بھی عارضی ہے، اور اس کی حالت کی تبدیلی ہی اس حقیقت کی شہادت ہے، کہ اس کا قیام عارضی ہے مثلاً گرمی اور روشنی آگ سے لوہے میں عارضی طور پہ آتی ہیں، جو دونوں چیزیں آگ میں جوہری یعنی ذاتی ہیں، پس میں نے یہ ثابت کر دیا، کہ اس عالم کی یہ عارضی بقا اُس عالم سے پیدا ہُوئی ہے، پھر اس عالم کے لئے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی بقاء جوہری یعنی ذاتی ہو۔

اَب اِس بارے میں دلیل پیش کی جاتی ہے، کہ وہ عالمِ لطیف ہے، چُنانچہ توضیح کی جاتی ہے، کہ لطیف وہ چیز ہے جس کے اثرات جب کِسی جسم میں سے گزرتے ہیں، تو وہ جسم ان کو روک نہیں سکتا، اس قول پر محسوسات میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ آگ میں لطافت ہے اور کوئی جسم اس کی قوّت کو روک نہیں سکتا، آپ کو معلوم ہے کہ جب آگ لوہے کو چھُوتی رہتی ہے، تو اس قدر آہنی سختی اور قوّت کے باوجُود آگ کی قوّت لوہے کو پار کر جاتی ہے، خواہ لوہا کِتنا ہی موٹا اور مضبُوط کیُوں نہ ہو،

اور جب ہم نے یہ مشاہدہ کیا، کہ گہرے سمندروں میں مچھلیاں اور دُوسرے جانور (شروع میں ماں باپ کے بغیر) پیدا ہُوئے، نیز ان کے نروں کی پُشت اور مادوں کے پیٹ میں نسلی حیات داخل ہُوئی، جبکہ نر جانوروں کی پُشت میں نطفہ بنتا ہے اور وہ یہاں سے منتقل ہوکر مادہ جانوروں کے پیٹ میں جانور بنتا ہے، تو ہمیں معلوم ہُوا کہ یہ اُس عالم کی لطافت کی وجہ سے ہے، جو اُس دُنیا کا کاریگر ہے۔

اب اس بات کی دلیل کہ وہ عالم زندہ ہے، یہ ہے کہ ہم اس دُنیا میں یہ دیکھتے ہیں کہ جو کچھ جان رکھتا ہے، وہ اس چیز سے اشرف ہے، جس کی کوئی جان نہیں، اور وہ عالم جو صانع ہے اس دُنیا سے اشرف ہے، کیونکہ یہ مصنوع بے جان ہے، لازم آتا ہے کہ وہ عالم جو صانع ہے، یکسر جان اور دانش ہی ہے۔

نیز جب اِس دُنیا میں ایک بہترین چیز دانا جاندار ہے، جس کا نام اِنسان ہے، تو ہم نے (نتیجے کے طور پر یہ) کہا، کہ جب صانع مصنوع سے بہتر ہے، اور دُنیا کی مصنوعات میں سے ایک بہترین چیز دانا جاندار ہے، تو ہمیں معلوم ہُوا کہ یہ دانا جاندار اپنے صانع کے زیادہ نزدیک ہے، کیونکہ وہ دُوسری مصنُوعات سے زیادہ بہتر ہے، اور جب دانا جاندار یعنی اِنسان بہتر ہے، اور (جب یہی قانُون ہے کہ مصنُوعات میں سے) وہ مصنوع اپنے صانع کے زیادہ نزدیک ہوسکتی ہے، جو بہتر ہو، پس ثابت ہُوا کہ وہ عالم زندہ اور دانا ہے، اور اس دعویٰ کی تصدیق اللہ تعالیٰ

کے اس قول سے ہو سکتی ہے، جو فرماتا ہے :-

"وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

۲۹/۶۴ اور بلا شبہ آخرت کا گھر زندہ ہے، اگر ان کو اس کا علم ہوتا"

پس ہم اب اس بارے میں دلیل پیش کریں گے، کہ وہ عالم جاننے والا دیکھنے والا، سُننے والا اور بولنے والا ہے، چنانچہ جب انسان میں پیدا ہونے والی یہ قابلِ ستائش صفات اُس عالم سے آتی ہیں، اور یہ صفات جن کا ہم نے ذکر کیا (جبکہ) اِس دُنیا کے چار عناصر میں نہیں، اور چار عناصر مصنوع ہی ہیں، تو لازمی ہے کہ یہ صفات جن کا ذکر ہو چکا، اس کائنات کے صانع سے ہیں، اور جب یہ صفات اِس جہان میں جُزوی طور پر موجود ہیں، تو ہمیں معلوم ہوا، کہ وہ عالم کُلّی ہے، اور توانائی، بینائی، شنوائی اور گویائی اُسی عالم کی ہیں، اور باری سُبحانہ، وتعالیٰ کے اس امر کے بموجب، جو دونوں جہان کا سرمایہ ہے، اور عقل کی تائید کے ذریعہ مذکورہ تمام صفات نفسِ کُلّ ہی کو حاصل ہیں، (اور وہی اس جہان کا صانع اور لطیف عالم ہے) اور توضیح کی جاتی ہے، کہ وہ لطیف، باقی، توانا، دانا اور مکمّل عالم مکان نہیں (یعنی فی نفسہ اس کائنات کی طرح مکانی حیثیت سے نہیں، بلکہ لامکانی صورت میں موجود ہے) اور مکان کے اندر نہیں (یعنی کسی جسیم کی طرح اس کا انحصار مکان ہی پر نہیں) اور مکان سے قطعاً باہر بھی نہیں (یعنی رُوحانی طور پر عالمگیر وسعت اور ہمہ رس صفت میں ہر جگہ موجود ہے) اور وہ خُدائے

بے مثال کا پیدا کیا ہُوا ہے (پس) مومن مخلص پر واجب ہے۔ کہ اُس عالم کو پہچانے اور یہ سمجھ لے، کہ حقیقت میں بہشت وہی عالم ہے، اور جس نے بحقیقت اُس عالم کو پہچان لیا، تو اس کی رُوح جو جسم میں ہے، گویا ابھی سے اُس عالم میں جا پہنچی ہے، اور جب اس نے شریعت پر عمل بھی کر لیا، تو وہ خود بھی اُس عالم میں پہنچ جائے گا، اور ہمیشہ کے لئے لازوال نعمتوں میں رہے گا، اللہ تعالیٰ مومنوں کو توفیق عطا فرمائے!

والسّلام

کلام - ۵

بہشت، اِس کا دروازہ اور اس کی کلید کے بارے میں

ہم جو کچھ (یہاں حقائق کے سلسلے میں) کہتے ہیں، اس میں ہماری اپنی کوئی توانائی و طاقت نہیں، جبکہ (بموجب لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہ) توانائی و طاقت خُدا ہی کی ہے، اور ہمارے قول میں جو کچھ بہتری ہے، وہ خُدا کے ولی (یعنی امامِ زمان) کی نسبت سے ہے، اور خطا و لغزش کا سبب ہمارا ضیعف نفس ہی ہے، پس ولیِّ زمان کی کرم فرمائی سے ہم یُوں بیان کرتے ہیں، کہ بہشت حقیقت میں عقل ہی ہے، اور بہشت کا دروازہ اپنے زمانے میں رسُول صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہیں، اور ان کے وصی اپنی مرتبت میں اسی حیثیت سے ہیں، اور امام زمان اپنے عصر میں یہی درجہ رکھتے ہیں، اور بہشت کے دروازہ کی کلید کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ

ہے، پس جو شخص یہ شہادت اخلاص (بے ریائی) سے کہتا ہے، تو گویا اسے بہشت کا دروازہ یعنی رسُولؐ مِل چُکا ہے، اور جس نے یہ شہادت اخلاص سے اپنالی، تو وہ شخص پیغمبر علیہ السّلام کے ساتھ واصل ہُوا، چُنانچہ جس کو دروازے کی کلید مِلتی ہے، تو وہ دروازے کی طرف آجاتا ہے، اور جو شخص شہادت کو خلوص سے اپنا کر رسُول علیہ السّلام سے واصل ہُوا تو وہ شخص گویا بہشت میں داخل ہُوا، چُنانچہ جو کوئی کلید کے ساتھ دروازے کی طرف آجائے تو دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔

اِس حقیقت کی دلیل، جو ہم نے کہا کہ عقل ہی بہشت ہے، یہ ہے کہ انسان کی یہ ساری راحت، سہُولت اور امن و امان عقلِ کُلّ ہی سے ہے، آپ دیکھ سکتے ہیں، کہ انسانوں کو عقلِ کُلّ سے حِصّہ ملا ہے (جس کی وجہ سے) اُنہوں نے چوپایوں پر کس قدر تکلیف، سختی اور خوف ڈال رکھا ہے اور وہ خود ان پر سردار ہُوئے ہیں، کیونکہ ان چوپایوں میں عقل نہیں، اور جو شخص زیادہ دانا ہے، تو اسے دُنیا کوئی دُکھ دے نہیں سکتی، دُنیا کا کوئی غم اس کی طرف آ نہیں سکتا، اور اسے دُنیاوی نفع و نقصان کی کوئی پرواہ نہیں؛

لیکن نادان مالی نقصان کے غم، گُناہ، دُکھ اور دُنیاوی طمع کی وجہ سے گویا مر ہی جاتا ہے، پس جب اِتنی سی عقل جزوی کے ذریعہ جو لوگوں کو خُدا تعالیٰ کی طرف سے بطور حِصّہ ملی ہے، اِس قدر دُکھ ان سے

اُٹھ گیا، تو یہ حقیقتِ حال اس امر کی دلیل ہوئی، کہ عقلِ کُلّ ہی بحقیقت بہشت ہے، کیونکہ اسی کے اثر سے دُنیا میں ساری نعمتیں اور راحتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، اور جو شخص زیادہ دانا اور عقل کے زیادہ نزدیک ہے، تو وہ بہشت کا دروازہ ہے، چُنانچہ رسُول مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ساری مخلوقات میں سے عقل کے زیادہ نزدیک تھے، آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِسی لئے آنحضرت سے فرمایا، کہ آپ لوگوں کو علم سکھایا کریں اور مُسلمانوں کو اس میں کوئی شک ہی نہیں، کہ پیغمبر علیہ السّلام بہشت کا دروازہ ہیں، پس ثبوت ہُوا کہ حقیقت میں عقل ہی بہشت ہے۔

اَب اس بارے میں دلیل پیش کی جاتی ہے، کہ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بہشت کا دروازہ ہیں، چُنانچہ ہمارا بیان یہ ہے، کہ کسی مقام کا دروازہ وہ ہوتا ہے جس کے بغیر اور کہیں سے کوئی شخص اس مقام میں داخل نہیں ہو سکتا، اور یہ حقیقت ہے، کہ کوئی شخص بہشت میں داخل نہیں ہو سکے گا، مگر وہی شخص، جو رسُول مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی فرمانبرداری کرے، آنحضرت کے نزدیک ہو جائے، آنحضرت کے فرمان کو قبول کرے، اور حضور کے قول و عمل کی حقیقت سمجھے، کیونکہ رسُول کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۸۰/۴

یعنی جس شخص نے رسُول کی فرمانبرداری کی، تو بے شک اس نے

خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔ اسی طرح ہر رسول اپنے دور میں بحدِ قوت بہشت کا دروازہ رہا ہے، اس وجہ سے کہ اس کی فرمانبرداری کے راستے پر چلتے ہوئے اس کی شریعت پر علم کے ساتھ عمل کرنے سے کوئی انسان بہشت میں پہنچ سکتا ہے، اور جو شخص رسول کی شریعت کو علم تاویل کے بغیر قبول کرے تو اس شخص کو بہشت کا دروازہ مقفّل ملا ہُوا ہوتا ہے، اور جو شخص عمل دانش سے کرے تو اس کے لئے بہشت کا دروازہ کُھل جاتا ہے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

قولہ، تعالیٰ:۔

"وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ط
حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا ۳۹/۷۳

اور جو لوگ اپنے ربّ سے ڈرتے تھے، وہ گروہ گروہ ہوکر بہشت کی طرف روانہ کئے گئے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئے تو بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے۔"

یہ جو فرماتا ہے کہ "بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے" تو اس آیت سے یہ ظاہر ہُوا کہ ان کے آنے سے پیشتر بہشت کے دروازے بند کئے ہُوئے ہوں گے اور ان کے آنے کے بعد کھول دیئے جائیں گے، اس قول کے یہ معنی ہُوئے کہ انبیاء علیہم السّلام کی شریعتیں سب کی سب اشارات وتمثیلات کے ذریعہ بندھی ہُوئی ہوتی ہیں، اور لوگوں کی نجات ان کے کھولنے میں پوشیدہ ہے جس کی مثال ایک ایسے بند دروازے کی طرح ہے، کہ جب وہ کُھل جاتا ہے، تو لوگوں کو آرام کی جگہ ملتی ہے اور کھانا پینا مہیّا ہو

جاتا ہے، جب بہشت کا دروازہ (کسی شخص کے لئے) بند کیا ہوا ہو تو اصولاً دوزخ کا دروازہ (اس کے لئے) کھولا ہوا ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا" ٣٩/٧١

اور جو کافر تھے، وہ جہنّم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے گئے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئے، تو دوزخ کے دروازے کھول دیئے گئے۔" بہشت کے دروازے کا کھل جانا، کتاب (قرآن) اور شریعت کی تاویل سے متعلق ہے، اور تاویل کا مالک ہر رسُول کا وصی ہوتا ہے، اور بہشت کے دروازے کھل جانے سے اصُولاً دوزخ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، پس رسُول بہشت کے دروازے کی حیثیت سے ہیں، اور بہشت کا دروازہ کھولنے والا ان کے وصی (علی علیہ السّلام) ہیں، نیز (ہر زمانے میں) سارے مومنوں کے لئے (دروازۂ جنّت کھولنے والا) امامِ زمان ہیں۔

جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ رسُول علیہ السّلام بہشت کے دروازے کی حیثیت سے ہیں اور آنحضرت کے وصی اس دروازے کا کھولنے والا ہیں، تو اب ہم بہشت کے دروازے کی کلید کے بارے میں بیان کرتے ہیں، اور اس حقیقت کی دلیل لاتے ہیں، کہ بہشت کے دروازے کی کلید کلمۂ شہادت ہے، چُنانچہ اس کی تشریح کی جاتی ہے کہ کلید وہ چیز ہے جس کو حاصل کئے بغیر کوئی شخص کسی مقفّل دروازے

کے پاس جانا نہیں چاہتا، یہی وجہ تھی کہ جس شخص نے کلمۂ شہادت قبول کر لیا، تو وہ محمدؐ رسُول اللہ کی طرف آیا، اور جس شخص نے کلمۂ شہادت اخلاص سے کہا، تو رسُول علیہ السّلام نے اُسے بہشت کا وعدہ کیا، اِس حدیث کے بموجب جو فرماتے ہیں :-

"مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ :

جس شخص نے کلمۂ اخلاص پاک دِلی سے پڑھا تو وہ بہشت میں داخل ہُوا" پس یہ اس بات کی دلیل ہُوئی، کہ یہی کلمۂ شہادت بہشت کے دروازہ کی کلید ہے، یہاں تک کہ جب یہ کلید لوگوں کو مل جائے، تو وہ بہشت میں داخل ہو سکتے ہیں، اور جس کو یہ نہ ملی، تو وہ بہشت سے محروم رہ جاتا ہے۔

پس بتایا جاتا ہے، کہ :-

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ اَلرَّسُولُ اللّٰهِ" سات الفاظ پر مشتمل ہے [لا - الٰہ - الّا - اللہ - محمد - الّرسول - اللہ] جو نو حرف سے بنا ہے، چُنانچہ : ل، ا، ہ، م، ح، د، ر، س، و، اور اس میں دو گواہیاں ہیں، [لا الٰہ الّا اللہ (۱) محمد الّرسول اللہ (۲)] اور کلید کو عربی میں مفتاح کہتے ہیں، اور ان پانچ حرُوف یعنی "مفتاح" کے حساب کا مجموعہ پانچ سو انتیس (۵۲۹) ہوتا ہے اور پانچسو انتیس کے (دس دس کے اعدادِ کاملہ کے حساب سے) سات "عقد" بنتے ہیں جو مذکورہ دو

شہادتوں کے سات الفاظ کے برابر ہیں، اور جو نو باقی رہتا ہے، وہ اُن نو حروف کے برابر ہے، جن سے مذکورہ دو شہادتیں بنی ہُوئی ہیں، اور یہ کلمہ دو شہادتوں پر مبنی ہے، جس طرح کلید ان دو چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے، جو حصّے میں جُدا جُدا مگر اِتّصال میں ایک ہیں، وہ کلید کا دستہ اور دندانہ ہیں، اور مومنوں کا یہ کلمۂ اخلاص کہنا، قُفل کھولنے والے کے "چابی" گھمانے کی مثال ہے تاکہ اِس سے دروازہ کُھل جائے۔

پس ہمارا یہی قول ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بہشت کا مُقفّل دروازہ ہیں، جس کی کلید کلمۂ اخلاص میں ہے، مومن نے یہ کلید پکڑ رکھی ہے، اور امامِ زمان مومن ہی کے ہاتھ سے اس چابی کے گھُمانے والے ہیں، تاکہ دروازہ کُھل جائے، اس قول کی حقّانیت کی گواہی یہی ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسُول سے فرماتا ہے :-

"قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۳۴/۲۵

یعنی کہدیجئے کہ ہمارا پروردگار ہمارے درمیان جمع کرے گا، اِس کے بعد ہمارے درمیان کھول دے گا، اور وہ دانا کھولنے والا ہے" اس معنی سے اللہ تعالیٰ کی مُراد یہ ہے، کہ جب لوگ رسُول کا دین قبول کرتے ہیں تو آنحضرت کے ساتھ یہی ان لوگوں کا جمع ہونا ہے، اِس کے بعد تاویل کا مالک شریعت کے بند کو شریعت کی تاویل کے ذریعہ کھول دے گا، تاکہ

مومن کو معلوم ہو جائے، کہ اس طرح کی شریعت سے جو رسُول نے رکھی، اور اِس قسم کی مثالوں سے جو آنحضرت نے بیان فرمائیں، کیا مُراد تھی، تاکہ مومن اس پر بصیرت سے عمل کرے، ہم نے اپنے زمانے کے انداز پر بہشت اور اس کے دروازے کی کلید کا بیان کر دیا، والسّلام

کلام-۶

عالمِ جسمانی کی حقیقت کے بارے میں

ہم خُدا تعالیٰ کی توفیق سے بیان کریں گے، کہ عقلِ کُلّ سے نفسِ کُلّ کی "کمی" تخلیقِ کائنات کا سبب ہے، اور یہ کائنات نفسِ کُلّ کے لئے وہ سرمایہ ہے، کہ جس سے وہ اپنی اس کمی کی دُرستی کر سکے، اور اس قول کی حقّانیت کی دلیل ان نفوسِ جُزوی سے مل سکتی ہے، جو اس دُنیا میں موجُود ہیں، وہ یہ کہ انسانوں میں سے ہر ایک اس دُنیا میں اپنی کمی کو دُور کر دینے کے لئے کوشاں رہتا ہے، اِس لئے کہ جب تک اس دُنیا سے نفسِ کُلّ کا مقصد پُورا نہ ہو، تو کوئی نفسِ جُزوی اِس عالم میں بے نیاز نہیں ہو سکتا، اور ایسا ہی ہونا لازمی ہے، کیونکہ یہ ہرگز مناسب نہیں، کہ کوئی کُلّ کسی جُزو کا محتاج رہے، اور جُزو بے نیاز ہو۔

چُنانچہ آسمانوں اور ستاروں کی گردش، ان کی تاثیرات کے لئے عناصر کی پذیرائی، اور عناصر کے ذریعہ نباتات و حیوانات جیسے موالید

(بچّوں) کی بالیدگی (نشوونما) زبانِ حال سے دانشمند کو یہ بتاتی ہیں، کہ جس نے اس عالم کو مرتّب و منظّم کیا ہے، وہ ایک ایسی چیز کی جُستجو کر رہا ہے، جو اس کے پاس موجُود نہیں، اور اپنی اس احتیاج کی بناء پر انتہائی عظیم حرکت کر رہا ہے۔

اِس صُورتِ حال کی مثال ایسی ہے، کہ ایک دانشمند اتفاقاً پن چکّی کے مکان میں جاتا ہے، اور چکّی کو دیکھتا ہے، کہ تیزی سے گھُوم رہی ہے، اور بڑا سخت کام کر رہی ہے، تو اسے یہ جاننا چاہیئے، کہ وہ چیز جو چکّی کو گھُما رہی ہے، اِس حرکت کرنے والی چکّی سے بھی زیادہ طاقتور ہے، پھر جب وہ اُس مکان سے باہر آئے اور پانی کو دیکھے، کہ کیسے زور سے اپنے آپ کو اُوپر سے نیچے کی طرف گرا رہا ہے، تو وہ سمجھ لے گا، کہ چکّی کی حرکت سے پانی کی حرکت بڑھ کر ہے، اِس لئے کہ چکّی کے پاٹ کی حرکت عارضی ہے، اور اُوپر سے نیچے کی طرف پانی کی حرکت طبعی ہے، (مگر پاٹ کو حرکت دینے کے اعتبار سے جوہری ہے) اور جوہری حرکت عارضی حرکت سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے، پس ہمارے بیان کا خلاصہ یہ ہے، کہ آسمانوں، ستاروں اور طبائع کی حرکت کے مقابلے میں نفسِ کُلّ کی اپنی قِسم کی حرکت زیادہ طاقتور ہے، جب اس دُنیا میں انسان سے بڑھ کر اور کوئی شے زیادہ اشرف نہیں، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ اس کائنات سے نفسِ کُلّ کا مقصد انسان ہی ہے، اور سب سے زیادہ اشرف وہ انسان ہے، جو دانا ہے (اور نفسِ کُلّ کا انتہائی مقصد بھی وہی انسانِ کامل ہے۔)

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے، کہ تخلیقِ کائنات سے نفسِ کُلّ کی غرض دانش ہی ہے، اور اس میں یہی دانائی کی کمی ہے، جب دانش

صرف اِنسانی نفس ہی نے قبول کرلی، تو ہم نے دلیلاً کہا کہ ساری کائنات میں سے صرف اِنسان ہی کو نفسِ کُلّ تک واپسی ہوسکتی ہے، اور جب صُورتِ حال یہی تھی، جس کا ہم نے ذکر کیا، تو معلوم ہُوا کہ جو نفس زیادہ علمیّت کے ساتھ اس جہان سے گزُر جائے، تو وہی نفس نفسِ کُلّ کے ساتھ علمی موافقت سے متّحد ہونے کے لئے زیادہ لائق ہوتا ہے، اور وہی نفس ابدی راحت و نعمت میں رہتا ہے، اور ہر وہ نفس جو اس عالم سے نادان گزُرے، تو وہ نفسِ کُلّ کی پسند کے خلاف ہوتا ہے، اور نفسِ کُلّ اِس سے پرہیز کرتا ہے، اِس لئے کہ وہ یہ عظیم کائناتی عمل نادانی کے خوف سے کر رہا ہے، پس جب اُسے کوئی نادان نفس مل جائے، تو اس کو نہیں اپناتا، اور ایسا نفس دائمی سختی اور عذاب میں رہ جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان رسُول کی فرمانبرداری کے ذریعہ نفسِ کُلّ کی موافقت حاصل کرسکتا ہے، کیونکہ وہ نفسِ کُلّ کے بھیجے ہُوئے ہیں، اور اس سلسلے میں عقلِ کُلّ کی تائید تھی، تاکہ رسُولؐ لوگوں کو علمِ توحید کی طرف بُلائیں، اور جب وہ اِس عظیم علم کے ذریعہ دانا ہو جائیں، تو نفسِ کُلّ ان کے ذریعہ اپنی کمی کی درستی کرسکے، اور جب لوگ نفسِ کُلّ کی مدد کریں، تو وہ ان کی مدد کرے چُنانچہ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُ اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ

[۴۷] یعنی اے ایمان والو! اگر تُم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔" پس ہمیں یہ کہنا چاہیئے، کہ یہ دُنیا ایک ایسے آئینے

کی مثال ہے، جس میں عالمِ آخرت کی نعمتیں خیال و تصوّر کی طرح چمکتی ہیں، وہ کسی کے ہاتھ نہیں آتیں، کہ وہ محفوظ رکھی جاسکیں، جس طرح حسین صُورتیں آئینے میں دیکھی جاسکتی ہیں، مگر ان کا مادّی وجُود پایا نہیں جاسکتا، جب اس دُنیا کی سجاوٹیں اور لذّتیں ناپائدار ہیں، تو ہمیں یہ معلوم ہُوا کہ یہ ساری چیزیں عارضی ہیں، اور عارضی چیز کو جوہر سے اثر ملتا ہے، پس ہمیں معلوم ہُوا کہ یہ نعمتیں عالمِ رُوحانی ہی کے اثرات ہیں، کیونکہ جوہر تو وہی ہے۔

پس دانا وہ شخص ہے، جو اِس عمرِ فانی ہی میں اُس حیاتِ جاودانی کی تلاش کرے، اور اس گزر جانے والی نعمت کو مدِّنظر نہ رکھے، بلکہ عبادت پسندی، خواہشاتِ نفسانی سے دُوری اور ناپائدار چیزوں سے بےنیازی اختیار کرتے ہُوئے اُس پائندہ نعمت کے لئے ارادہ کرے، اور جاننا چاہیئے کہ یہ جہان اُس جہان کے دروازے کی حیثیت سے ہے، جب تک تو اِس دروازے سے نکل نہ جائے، اُس مکان میں پہنچ نہیں سکتا، اور دُوسرے اعتبار سے یہ جہان ایک پوشیدہ پڑی ہُوئی چیز کی طرح ہے، اور ان لوگوں میں سے ہر ایک کو اس چیز کا ایک ایک حصّہ ملا ہے، اور وہ ایک ایسی چیز ہے، کہ اگر تُو نے فوراً اسے فروخت نہیں کیا، تو وہ ضائع ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ کوئی خریدار بھی اسے پسند نہیں کرتا، اور نیک بخت سوداگر وہ ہے، جو فوراً اسے فروخت کرے، اور اِس کے بدلے میں ایک ایسی چیز لے رکھے جو تباہ نہیں ہوتی، اور وہ

لازوال چیز خُدا اور رسُول کی فرمانبرداری ہے اور اگر تُو نے اُسے اسی طریقے سے خرچ نہیں کیا، تو وہ چیز گویا ختم ہو جاتی ہے، پھر اس وقت پشیمانی کوئی فائدہ نہیں دیتی، چُنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

" اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّۃً
فَاَکُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۳۹/۵۸

یعنی جب بدبخت نفس عذاب دیکھے، تو کہے گا کہ اگر مجھے ایک بار پھر دُنیا میں واپس لے جاتے، تو مَیں نیک کام کرنے والوں میں سے ہو جاتا۔" پھر اللہ تعالیٰ اِس کے جواب میں فرمائے گا :-

" بَلٰی قَدْ جَآءَتْکَ اٰیٰتِیْ فَکَذَّبْتَ بِھَا
وَاسْتَکْبَرْتَ وَکُنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۳۹/۵۹

ہاں، بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچی تھیں، سو تُو نے ان کو جُھٹلایا، اور تُو نے تکبّر کیا، اور کافروں میں شامل رہا۔"

کلام - ۷

دوزخ اور اس کے دروازے کے بارے میں

خُدا تعالیٰ کی توفیق سے ہم اس حقیقت کا بیان کرتے ہیں، کہ جو چیز اَب موجُود ہُوئی ہے وہ اِس سے پہلے حدِّ قُوّت میں رہی ہے، اس کے بعد حدِّ فعل میں آئی ہے، چُنانچہ اگر کوئی انسان اِس وقت موجُود ہُوا ہے، تو وہ کچھ مُدّت پہلے نباتات کی صُورت میں تھا، یہاں تک کہ اس کے والدین نے اُن نباتات کو کھا لیا اور اُن سے اِن میں ایک پانی حاصل ہُوا، جس کے ذریعہ اولاد پیدا ہُوئی، جب یہ حقیقتِ حال معلوم ہُوئی، تو اَب ہم یہ بیان کریں گے، کہ دوزخ حدِّ قوّت میں نادانی کی حیثیت سے ہے، اور بہشت حدِّ قوّت میں عِلم کی صُورت میں ہے، اِس لئے کہ دانا وہ عمل کرتا ہے، جس میں خُدا و رسُول کی خوشنُودی ہے، تاکہ وہ اس فرمانبرداری کے ذریعہ ابدی بہشت میں پہنچ سکے، اور نادان وہ کام نہیں کرتا، جس میں اِس کی نجات پوشیدہ ہے،

جس کی وجہ سے وہ دائمی جہنّم میں گر جاتا ہے۔

پس ثابت ہُوا کہ بہشت قوّت کی حد میں علم ہے، اور دانائی حقیقی بہشت ہے، اور دوزخ قوّت کی حد میں جہالت ہے، اور نادانی حقیقی دوزخ ہے، کیونکہ خُدا تعالیٰ نے کافروں (یعنی نادانوں) کے لئے دوزخ کا وعدہ کیا ہے اور قرآنِ پاک کے بہت سے مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے، قولہٗ تعالیٰ :-

" وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۳۵/۳۶

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے، نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں، اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔" ایک اور مقام پر فرماتا ہے، کہ کافر لوگ نادان ہیں، جو اسی آیت کے معنی سے یہی مطلب ظاہر ہے :-

" قُلْ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ۳۹/۶۴

اے محمدؐ آپ کہہ دیجئے کہ اے نادانو ! کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو۔" جب حقیقتِ حال یہی ہے کہ دوزخ

کے رہنے والے کافر ہیں اور کافر نادان ہیں، پس ظاہر ہُوا کہ دوزخ کے رہنے والے نادان ہی ہوتے ہیں اور یہ کتابِ منطق کی شکل اوّل کا اصُول ہے۔

پس ہم نے یہ ثابت کر دیا، کہ دوزخ حد قُوّت میں جہالت ہے، اور جو شخص کسی نادان کا معتقد بن کر ٹھہرے، یا اس کے پیچھے چلے اور داناؤں کے ساتھ دُشمنی کرے، تو وہ شخص دلیلاً دوزخ کا باشندہ ہے، اور لوگ تو ایسے ہونے چاہئیں، کہ وہ دانا کے دوستدار بن جائیں، اور دانا بحقیقت اپنے دور میں رسُول علیہ السّلام ہیں، اور آنحضرت کے وصی و آئمہؑ زمان میں سے ہر ایک اپنے عصر کے دانا ہیں، اور جو شخص اپنے زمانے کے امام کے ساتھ دُشمنی رکھتا ہو اور اس کی فرمانبرداری نہیں کرتا، تو وہ شخص گویا خُدا کے رسُول کی فرمانبرداری نہیں کرتا ہے، اور جو شخص رسُول کی فرمانبرداری نہ کرے، وہ گویا خُدا کی فرمانبرداری نہیں کرتا، پس ایسا شخص کافر ہے، جو شخص امامِ برحق کی فرمانبرداری نہ کرے، اسے علمِ حقیقت نہیں مِلتا ہے اور جس کو علمِ حقیقت نہ ملے، تو وہ بہشت میں پہنچ نہیں سکتا، اور دوزخ ہی میں رہ جاتا ہے، پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ ہر زمانے میں امامِ برحق کا حقیقی پیرو بہشت کا دروازہ ہے، اِس لئے کہ لوگ اسی شخص کے ذریعہ ہی علمِ حقیقت تک رسا ہو سکتے ہیں، پھر علمِ حقیقت کے ذریعہ بہشت میں پہنچ سکتے ہیں، اور ہر زمانے میں امامِ برحق کا مخالف دوزخ کا دروازہ ہے، اِس لئے کہ باطل

کے پیرو اِسی شخص کے قول کی وجہ سے امامِ برحق سے دُور ہو جاتے ہیں، اور نادان رہ کر دوزخی ہو جاتے ہیں، اور معرفت کے ساتھ گواہی دینا [یعنی خُدا اور رسُول کو پہچانتے ہُوئے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ کہنا] ہی بہشت کے دروازے کی کلید ہے، اور بے معرفت رہنا [یعنی خُدا اور رسُول کو نہ پہچاننا] ہی دوزخ کے دروازے کی کلید ہے۔

ہم یہاں پر ایک مثال بیان کر دیتے ہیں، تاکہ مومن کے لئے یہ صورت حال واضح ہو جائے، کہ نادان دوزخی ہے اور دانا بہشتی ہے، وہ یہ ہے کہ جانوروں میں سے کوئی نوع بجز اِنسان کے نفس ناطقہ نہیں رکھتا، اور عقل کے اثرات کو نفس ناطقہ کے سوا اور کوئی چیز اپنا نہیں سکتی، اور جس مخلوق کی عقل نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اِس کی طرف کوئی پیغمبر نہیں بھیجا ہے، اِس قول کی صداقت کی دلیل یہ ہے، کہ بے دانش اطفال اور دیوانوں پر کوئی نماز و عبادت فرض نہیں اور وہ اس اعتبار سے درجۂ حیوانیت میں ہیں، اور جس پر عبادت فرض نہ کی گئی ہو وہ درجۂ حیوانیت میں ہے، اور حیوانات کے لئے بہشت سے کوئی بہرہ حاصل نہیں، وہ اس طرح کہ اِنسان حلال جانوروں کو ذبح کرتا ہُوا، اور انہیں کھاتا ہُوا، نیز حرام جانوروں کو ہلاک کرتا ہُوا سارے جانوروں کو رنج دے رہا ہے، اِس لئے کہ انسان حدِّ قوّت میں بہشتی ہے، اور جانور بہشتی نہیں، اور بہشتی کو دوزخی پر بادشاہی ہے، اِسی دُنیا میں بھی اِنسان کی

بادشاہی چلانے کے سلسلہ میں لازماً جانور پیدا ہوئے ہیں، اور انسان جانوروں کو رنج دیتا ہے، بیچتا ہے، ذبح کرتا ہے، اور انہیں کھا لیتا ہے، جس کے بارے میں اس پر کوئی ملامت ہی نہیں، جس طرح (دوزخ کے داروغے) دوزخیوں کو دوزخ میں لے جاتے ہیں، ان کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور انہیں ہلاک کرتے ہیں، اور وہ دوزخیوں کی طرف سے خدا کی عبادت ہے۔

پس یہ حال ایسا ہے جیسے اِنسان بحکمِ خدا حج اور جہاد کے سلسلے میں جانوروں کو ذبح کرتا ہے اور انہیں کاٹتا ہے، جس میں اس پہ کوئی جُرم نہیں، جبکہ وہ اس عمل کے ذریعہ خدا کی نزدیکی حاصل کرتا ہے، نیز جس طرح فرمایا گیا ہے، کہ قیامت کے دن رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف فرما ہوں گے اور دوزخ پر پھُونک ماریں گے، اور آنحضرت کی پھُونک دوزخ کو ٹھنڈا کر دے گی، اور اپنے کمبل کو پکڑ کر دوزخ میں لٹکا دیں گے، تاکہ اُمّت کے گنہگاروں کو اسی طرح نکال لیا جائے، اور آن حضور صلعم کی پھُونک اور کمبل پر دوزخ کی آتشی قوّت اثر انداز نہ ہو سکے گی، اور یہی مثال اس واقعے میں بھی ہے، کہ انسان کا ہاتھ اُس دُوسرے اِنسان کو تکلیف دینے سے رُکا ہُوا ہے، جس نے شریعت کی ظاہریّت قبول کر لی ہے، اور وہ حدّ قوّت میں بہشتی ہُوا ہے، اور یہی مثال دُرست ہے۔

پس ہم نے یہ واضح کر دیا، کہ نادان لوگ اِسی جہان ہی میں

جانوروں اور درندوں کے لئے دوزخ ہیں، اور یہ تمام جانور دوزخی ہیں، اس لئے کہ ان سے بوجھ اُٹھوانے، ان کو ذبح کرنے، جلانے، پکانے، انہیں کھانے وغیرہ سے جو کچھ اُن پر گزرتا ہے، گزرنے دیتے ہیں اور انہیں رنج دیتے رہتے ہیں، اور کوئی شخص ان جانوروں کو جو دوزخی ہیں، معاف نہیں رکھتا، جس طرح اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو جواب دینے کے بارے میں فرماتا ہے، کہ وہ فریاد کریں گے:-

"قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ۲۳/۱۰۸

فرماتا ہے کہ جب وہ فریاد کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کہ دوزخ ہی میں دُور رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔"

نیز یہ کہنا ہے، کہ وہ جانور جو انسان کے تحت ہیں اور جن کی اذیّت کے لئے انسان کا ہاتھ کھلا ہوا ہے، سات قسم کے ہیں، جن میں سے دو قسم کے جانور پانی میں رہتے ہیں، ان میں سے ایک قسم کے جانوروں کے پاؤں نہیں ہوتے ہیں، جیسے سانپ، مچھلی وغیرہ اور دوسری قسم کے جانوروں کے پاؤں ہوتے ہیں، جیسے مگرمچھ، کچھوا، کیکڑا وغیرہ، اور ان سات اقسام میں سے پانچ قسم کے جانور خشکی پر رہتے ہیں، جن میں سے ایک قسم کے جانور، چوپائے ہیں، جو گھاس اور دانہ کھاتے ہیں، جیسے گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ، دُوسرے چوپائے ہیں، جو گوشت کھاتے ہیں، جیسے شیر بھیڑیا وغیرہ، تیسرے وہ پرندے ہیں، جو

گوشت کھاتے ہیں، جیسے باز، شاہین، وغیرہ، چوتھے وہ پرندے ہیں جو گھاس اور دانہ کھاتے ہیں، جیسے کبوتر، فاختہ وغیرہ، پانچویں حشرات ہیں جن کو فارسی میں خزندگان کہتے ہیں (یعنی زمین میں بل بنا کر یا قدرتی سوراخوں میں رہنے والے جانور) اور انسان کا ہاتھ، جو ان جانوروں کا دوزخ ہے، ان پر کھلا ہوا ہے، جس طرح دوزخ کے سات دروازے دوزخیوں کے لئے کھلے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ $\frac{۱۵}{۴۴}$ دوزخ کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں"

جب ہم نے ان جانوروں کی سات قسمیں واضح کر دی، جو دوزخی ہیں، اب یہ بتائیں گے، کہ انسان بھی انہیں اقسام میں بٹے ہوئے سات گروہ ہیں، جو ہر ایک گروہ ان درندوں اور جانوروں کی کسی قسم کی طرح عادت رکھتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ $\frac{۶}{۳۸}$

اور جتنے قسم کے جانور زمین پر چلتے ہیں، اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں، کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں، ان میں کوئی قسم ایسی نہیں، جو کہ تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں" پس جو شخص ان

جانوروں اور درندوں کی خُوئی وخصلت کے ساتھ نادان ہے، وہ دوزخی ہے،
جس طرح ہم نے واضح کر دیا کہ جانور اسی دُنیا ہی میں دوزخی ہیں، چُنانچہ
لوگوں میں سے جو شخص چور اور خائن ہو، وہ چوہے کے درجے میں ہے،
جو شخص جھگڑالو اور اُچکّا ہو، وہ بھیڑیئے اور شیر کے درجے میں ہے، اور
جو شخص حرام خوری کی طمع رکھتا ہو وہ سُوَر کے درجے میں ہے، حقیقی انسان
رسُول علیہ السّلام، حضور کے وصیؑ اور ائمہؑ برحق علیہم السّلام ہیں،
اور ان حضرات کا ہاتھ کھُلا ہُوا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ
جو کوئی (اسلام و ایمان لانے کے سلسلے میں) ان کا فرمان قبول نہ کرے،
تو اسے قتل کر دیا جائے، جس طرح عام انسانوں کا ہاتھ دُوسرے جانوروں
کے ذبح و قتل کرنے کے لئے کھُلا ہے، اور جن جانوروں کا گوشت کھانا
حلال ہے، جیسے گائے، بھیڑ، بکری، اونٹ، وغیرہ، وہ ان لوگوں
کی مثالیں ہیں، جو نیک، پرہیز گار اور فرمانبردار ہیں، مگر ان
کے پاس عِلم نہیں، پس خُدا تعالیٰ نے ان کا گوشت حلال کر دیا، یعنی
حقیقی اِنسانوں سے فرمایا، کہ ان کو عِلم سکھاؤ اور اس کے ذریعہ
ان کو اپنے ساتھ ایک کر دو (جس طرح انسان حلال جانوروں کو کھا کر
اپنے ساتھ ایک کر دیتے ہیں) اور جن جانوروں کا گوشت حرام ہے،
جیسے سُوَر، شیر وغیرہ، وہ ان لوگوں کی مثالیں ہیں، جن میں خرابی
اور بُرائی ہے، اور وہ نصیحت قبول نہیں کرتے، جس طرح مذکورہ

جانور فرمانبرداری نہیں کرتے ہیں، پس فرمایا کہ ان کو مارا جائے اور ان کا گوشت نہ کھایا جائے، یعنی ان کے دین کو ان کے لئے تباہ کر کے دکھایا جائے اور دینِ حق ان کو نہ سکھایا جائے، اپنی جگہ پر اس حقیقت کی وضاحت کی جائے گی۔

پس یہ جہان داناؤں کے لئے بہشت کا دروازہ ہے، اور نادان بے فرمانوں کے لئے دوزخ کا دروازہ ہے، اِس لئے کہ بہشت یا دوزخ میں وہ شخص جائے گا، جو اس جہان میں آیا ہو، اور (یہ اس لئے ایسا ہے، تاکہ) جو شخص عملاً چاہے تو اس دُنیا کے ذریعہ بہشت آباد کرے اور جو شخص چاہے تو دوزخ آباد کرے، کیونکہ اسی دُنیا سے لوگ انہی دو جگہوں میں جایا کرتے ہیں، چُنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۴۲/۷

ایک گروہ جنّت میں (داخل) ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں (داخل) ہوگا۔

کلام - ۸

پیغمبروں کے بھیجے جانے کی واجبیّت
اور ان کی تعداد کے بارے میں

ہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مدد سے یہ بتائیں گے، کہ جب اِنسان دو بُنیادی چیزوں سے بنا ہُوا ہے، تو اس کے یہ معنی ہُوئے، کہ وہ مفرد نہیں، بلکہ مرکّب ہے، اور وہ بُنیادی چیزیں اِس ترکیب میں جسمِ کثیف اور نفسِ لطیف ہیں، جسمِ کثیف کی خوراک چار عناصر سے پیدا ہُوتی، جن میں سے دو عنصر نفس کی طرح لطیف ہیں، وہ آگ اور ہَوا ہیں اور دو جسم کی طرح کثیف ہیں، جو مٹّی اور پانی ہیں، جب یہ جسمِ کثیف نفسِ لطیف کے ساتھ مل گیا، تو اس نے اُن نباتات سے غذا حاصل کرلی، اور طاقتور ہَوا، جو اِن دو لطیف اور دو کثیف عناصر سے پیدا ہوتی ہیں، پس بتقاضائے حکمت یہ لازم آتا ہے، کہ اس نفسِ لطیف کی غذا بھی، جو جسم کے ساتھ مل گیا ہے، چار حدُود سے پیدا ہو، جن میں سے دو

حدیں تو نفس کی طرح رُوحانی ہوں ، اور دو جسم کی طرح جسمانی ، تاکہ نفس اِس غذا سے طاقتور ہو سکے ، جو اِن حدُود سے پیدا ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے چار حدُودِ شریف سے اِنسانی نفس (رُوح) کی غذا پیدا کر دی ، جن میں سے دو لطیف تھے ، وہ نفسِ کُلّی اور عقل کُلّی ہیں ، جن کے آثار یہ انسانی نفس جزُوی اور عقل جزُوی ہیں ، اور ان چار حدُود میں سے دو مرکّب ہیں ، وہ ناطق اور اساس ہیں ، جو جسم کے اعتبار سے بشر ہیں اور عقل و نفس کے اعتبار سے فرشتگانِ مقرّب ہیں تاکہ وہ اپنے عِلم شریف کے ذریعہ لوگوں کو درجۂ جنّی سے درجۂ فرشتگی میں پہنچا سکیں ، اسی طرح ان دونوں چیزوں (جسم و نفس) کو جن سے انسان کی ترکیب ہُوئی ہے ، اِن کے خالق کی طرف سے اپنا اپنا حق مل گیا ، چُنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

" ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۳۶/۳۸

یہ اندازہ باندھا ہُوا ہے اس خُدا کا جو زبردست علم والا ہے ۔"

جب ہمیں یہ معلوم ہُوا ، کہ اِنسان چار کثیف عناصر اور لطیف نفس سے مرکّب ہُوا ہے ، جس کے سلسلے میں لطافت ، کثافت کے ساتھ متصل ہُوئی ہے ، اور عالمِ لطیف سے اِنسان کا اپنا حِصّہ پیدائشی عقل کی صُورت میں مِل چُکا ہے ، جو دُوسرے حیوانات کے لئے میسّر نہ تھا ، تو یہ لازمی

ہُوا کہ اُس اصل (یعنی عقلِ کُلّ) سے، جس سے اِنسانوں کو مذکورہ جزوی حِصّہ متصل ہو رہا ہے، انسانوں میں سے ایک شخص کو مکمّل حِصّہ متصّل رہا کرے، تاکہ یہ پیدائشی عقول اسی واحد شخص سے اپنی علمی ضروریات حاصل کر سکیں، وہ شخص جس کو عقلِ کُلّ سے یہ مکمّل عنایت اور حِصّہ متصل رہا، پیغمبر علیہ السّلام تھے، اور اگر وہ واحد شخص فائدہ بخش نہ ہوتے، تو یہ ساری دانش پذیر عقول ضائع ہو جاتیں، اور تخلیق کائنات کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کا ایک کھیل ہوتا (جس طرح اطفال کھیل کے طور پر کوئی چیز بناتے ہیں، پھر اسے ضائع کر دیتے ہیں، یا وہ خود بخود ضائع ہو جاتی ہے)، لیکن صانعِ حکیم کھیل سے برتر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۲۳/۱۱۵

تو کیا تُم نے یہ گمان کیا تھا، کہ ہم نے تُم کو یوں ہی کھیل کے طور پر پیدا کر دیا ہے، اور یہ کہ تُم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے۔"

جب اِنسان بلحاظ نفسِ لطیف ایک دُوسرے کے موافق تھے اور باعتبار جسم وصُورت ایک دُوسرے کے مخالف تھے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے، کہ انسان مختلف مقامات اور جُدا جُدا اوقات میں پیدا ہوتے ہیں، نیز ان پر مختلف اوقات گُزرتے ہیں تو لازم آتا ہے، کہ اُس رسُول کا علم، جس نے خُدا کا کلام لایا تھا، دو قسم کا ہو، جس میں محکم نفس ہی کی طرح موافق

ہو، اور متشابہ جسم ہی کی طرح مختلف ہو، اور اس کلام کا ظاہر جسم کی طرح ہو اور باطن نفس کی طرح ہو۔

چُنانچہ جب انسان جسمِ کثیف اور نفسِ لطیف ہی کا مجمُوعہ ہے، تو عمل جسم کے حِصّے میں آیا اور علم نفس کے حِصّے میں آیا، یہی وجہ ہے، کہ انبیاء علیہم السّلام لوگوں کو ایک ایسے عمل کے لئے فرماتے ہیں، جو علم کے ذریعہ کیا جاسکے، تاکہ وہ اپنے جسم کے ذریعہ عمل کریں، اور نفس کے ذریعہ وہ علم سمجھ لیں، جو اس عمل میں پوشیدہ ہے، اور تقاضائے حکمت سے یہی لازمی ہُوا کہ جسم اور نفس اپنی اپنی طاقت کے مطابق عمل اور علم کی تکمیل کریں، چُنانچہ جسم نے نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ کے اعمال کو انجام دیا، اور انبیاء علیہم السّلام نے انسانی نفس کو اِن اعمال کے معنی سے شناسا کرایا۔

جب اِنسانی جسم کی، جو کارکُن تو وہی تھا، چھ اطراف تھیں، یعنی آگے، پیچھے، داہنے، بائیں، نیچے اور اُوپر، تو اللہ تعالیٰ نے اِنسانوں کی طرف چھ کارفرما (یعنی کام بتانے والے) پیغمبر بھیجے، چُنانچہ (عملی رُوحانیت کی) مثال میں آدم علیہ السّلام اِنسانی اطراف میں سے اُوپر کی طرف سے آیا، نوح علیہ السّلام لوگوں کی بائیں طرف سے آیا، ابراہیم علیہ السّلام لوگوں کی پچھلی طرف سے آیا، مُوسیٰ علیہ السّلام لوگوں کی نچلی طرف سے آیا، جو آدم علیہ السّلام کا مقابل ہوتا ہے، عیسیٰ علیہ السّلام لوگوں کے داہنے ہاتھ کی طرف سے آیا، جو نوح علیہ السّلام کا مقابل ہوتا ہے، اور محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم لوگوں کی اگلی جانب سے آئے، جو

ابراہیم علیہ السّلام کے مقابل ہوتے ہیں، جب یہ چھ کارفرما رسول انسانی جسم کی چھ اطراف سے آئے، اور ہر ایک نے اپنے زمانے میں لوگوں کو کام بتایا، اور ان سے اس کام کے اجر کا وعدہ کیا، کہ ایک دن ان کو یہ اجر اسی طرح دیا جانے والا ہے، پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ جب انسانی جسم کی چھ اطراف ہیں، اور جسم ہی کام کرنے والا ہے، اور ہر طرف سے ایک ایک کارفرما آچکا ہے تو عقل کے فیصلے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ اس کے بعد بھی کوئی آکر لوگوں کو دُوسرا کوئی کام بتائے اور یہ عقلی دلیل ہے۔

ہماری مذکورہ بالا دلیل سے یہ ثابت ہُوا کہ مُحمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا، اور جب لوگوں کی یہ عادت ہے، کہ کام کرکے اس کی اُجرت کام بتانے والے ہی سے طلب کرتے ہیں، تو لازمی ہے کہ اس کے بعد خُدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کوئی شخص آئے گا، جو ان کام کرنے والوں میں سے ہر شخص کو اس کے کام کے مطابق بدلہ دیا کرے گا۔ اور وہ قائم القیامت علیہ السّلام ہیں، کیونکہ وہی حضرت (مذکورہ پیغمبروں کی وضع کردہ) شریعت کے مالک ہیں، بلکہ جملہ حساب کے مالک ہیں، جو ان کئے ہُوئے کاموں کا حساب کر دیں گے اور کام کرنے والوں کو بدلہ دے دیا کریں گے، اور عقل کے فیصلے سے یہ لازم آتا ہے، کہ حضرت قائم آئیں گے، جس

طرح یہ ممکن نہیں، کہ پھر کوئی کارفرما آجائے، اِس لئے کہ لوگوں کے جسم کی کوئی ایسی جانب باقی نہ رہی ہے، کہ اُس جانب سے کوئی کارفرما نہ آیا ہو۔

جب خُدائے عزیز وجلیل کے یہ کارفرما آگئے، تو اُنہوں نے لوگوں کو مختلف کام بتا دیا، اوران کاموں میں سے ہر ایک کے کچھ ایسے معنی تھے، کہ انہی معنوں کے سبب سے کام کی وہی صُورت (یعنی ظاہریت) بن گئی تھی، چُنانچہ جانور اور نباتات کی صورتیں مختلف ہیں، جن میں سے ہر ایک چیز میں جو معنی ہیں، وہ دُوسری چیز میں نہیں، جس طرح اخروٹ کی صُورت سیب کی صُورت سے جُدا ہے، اِس لئے کہ اخروٹ میں کچھ ایسے معنی (یا طنیّت) ہیں کہ وہ معنی سیب میں نہیں، اور دو سیبوں کی دونوں صُورتوں کے ایک ہی معنی اور ایک ہی ظاہریّت ہے، جس طرح دو اخروٹ کی مثال ہے، پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں لوگوں کی طرف ایک کارفرما بھیجا تو ایک معنی دان (حقیقت سمجھنے اور سمجھانے والا) بھی بھیجا، تاکہ لوگوں کو بتا دیا جائے کہ ان کاموں کے کیا معنی ہوتے ہیں، تاکہ ان پیغمبروں کے آنے کے بعد قیامت میں لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے، چُنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

"لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ"
۴/۱۶۵

تاکہ پیغمبروں کے (بھیجے جانے کے) بعد لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔" اور ان پیغمبروں سے اللہ کی مُراد مالکانِ تنزیل و تاویل (ناطقان و اساسان) ہیں۔ نیز ائمہؑ برحق ہیں، جو کتابِ آسمانی اور شریعت کی تاویل ظاہر کر دیتے ہیں، جس کے بارے میں ایک اور مقام پر فرمایا ہے، قولہٗ تعالیٰ:-

"وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ‎$\frac{۳۵}{۲۵}$

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُنہوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر دلائل، علوم اور کتاب روشن (و عیاں یعنی فصول) لے کر آئے تھے۔" اِس مقام پر جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا ذکر فرمایا، تو انہیں ایک ہی جماعت قرار دیتے ہوئے ذکر فرمایا، اِس لئے کہ ان کی شریعت کی ظاہریّت مختلف ہے اور جب اس نے مالکان تاویل کا ذکر فرمایا، تو اُنہیں ایک فرد کی حیثیت دیتے ہوئے ذکر فرمایا، اور کتاب کو روشن کہا، اِس لئے کہ انبیاءؑ کے سارے کتب اور شریعتوں کے موضوعات کی حقیقت ایک ہی ہے، گو کہ اقوال، اعمال، الفاظ اور ظاہریت کے اعتبار سے ایک دُوسرے سے مختلف ہیں۔

(پیغمبروں کو جماعت قرار دینے اور مالکانِ تاویل کو ایک فرد کی حیثیت دینے کی دلیل یہ ہے کہ "بیّنات"، کے معنی عملی معجزات اور واضح

دلائل ہیں، اور "زُبُر" کے معنی کتابیں، صحیفے، علُوم اور دانشیں ہیں، پس "دلائل" اور "علُوم" کے دونوں الفاظ میں آنحضرت سے اگلے پیغمبروں کی لائی ہُوئی تمام مُقدّس ظاہری چیزوں کا ذکر آیا اور بہت سی دلیلوں اور بہت سی کتابوں یا کہ علوم کے ذکر و مفہوم سے پیغمبروں کی انفرادیت اور جماعت ثابت ہُوئی، اِس کے برعکس "کتاب منیر" یعنی روشن کتاب کا ذکر صیغہ واحد میں آیا، جس سے یہ مطلب صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت سے قبل کے پیغمبروں میں بظاہر کوئی مشترکہ واحد روشن کتاب جاری و ساری نہیں تھی، مگر نورانیّتِ باطن کی کتاب تھی جو نبوّت و امامت کا واحد نُور ہے، اور یہی کتابِ مُنیر، حقیقت، تاویل وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہے پس مالکانِ تاویل کی وحدت کے بارے میں یہی دلیل کافی ہے، علاوہ براں توراۃ، انجیل وغیرہ مشہور آسمانی کُتُب کی اصلی اور ظاہری حیثیت کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ ان میں "نُور" تھا، لیکن یہ کبھی نہیں فرمایا کہ ان کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب "کتابِ منیر" کی حیثیت سے تھی، اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے)

پس ہم یہ بیان کرتے ہیں، کہ آدمؑ کے وصی مولانا شیث علیہ السّلام تھے نوحؑ کے وصی مولانا سام علیہ السّلام تھے، ابراہیمؑ کے وصی مولانا اسماعیل علیہ السّلام تھے، موسیٰؑ کے وصی مولانا ہارون علیہ السّلام تھے، عیسیٰؑ کے وصی مولانا شمعون علیہ السّلام تھے، اور حضرت مُحمد مصطفیٰ (صلعم)

کے وصی علی المرتضیٰ علیہ السّلام تھے، اور نبوّت کے ہر دورِ کہین کے درمیان انہی پیغمبروں (یعنی مالکانِ تاویل) میں سے چھ پیغمبر ہوتے ہیں، جس طرح دو۲ جمُعہ کے دنوں کے درمیان چھ دن ہوتے ہیں (کیونکہ ایک اعتبار سے دور کہین کو ایک ہفتہ مانا گیا ہے، جس میں ہر ناطق پیغمبر روزِ جمُعہ کی طرح ہے، اور چھ مالکانِ تاویل ہفتہ کے باقی چھ دنوں کی طرح ہیں، پس دو ناطقوں کے درمیان چھ مالکانِ تاویل اس طرح ہیں جس طرح اگلے اور پچھلے دو۲ جمعوں کے دنوں کے درمیان باقی چھ دن ہوتے ہیں) اور یہ چھ (ناطق) پیغمبر جو آئے ہیں، وہ بھی ہفتہ کے چھ دنوں کی طرح آئے ہیں، اور جو (قائم۴) آنے والا ہے وہ ان کا ساتواں ہے، اور جب (حضرت قائم) آئیں تو یہ دورِ مہین ختم ہو جائیگا، اور قیامت برپا ہوگی، اور ہر شخص کو اپنے کام کا اجر ملے گا (کیونکہ دوسرے اعتبار سے دور مہین کو ایک ہفتہ مانا گیا ہے، جس میں چھ ناطق پیغمبر ہفتہ کے چھ دنوں کی طرح ہیں، اور حضرت قائم علیہ السّلام سنیچر کی طرح ہیں)

پس آدم علیہ السّلام اتوار کی طرح ہیں، اور اس قول کی حقّانیت کی دلیل یہ ہے، کہ حدیث میں یہ ذکر آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات اتوار کے دن شروع کی، جمعہ کے دن اس سے فارغ ہُوا اور سنیچر کے دن آرام کیا، اس قول کی تاویل و حقیقت ان دنوں کے شروع ہی سے لوگوں سے مخفی رہی ہے، اور ہر شخص نے اس قول کو اپنی ہی عقل کے مطابق قبول کر لیا ہے، اور یہود اسی سبب سے سنیچر کے دن کو عظیم سمجھتے ہیں، وہ اس روز کام نہیں کرتے، جس سے

ان کا مطلب یہ ہے، کہ خُدا نے اس روز آرام کیا ہے، اور انہیں یہ معلوم نہیں کہ جن پیغمبروں نے لوگوں کو یہ خبر دی ہے، وہ یہ چاہتے تھے، کہ سمجھ لیا جائے، کہ بموجب فرمانِ الہٰی چھ حضرات دُنیا میں آئیں گے، تاکہ لوگوں کو کام بتا دیا جائے، اور جو ان کا ساتواں حضرت آئے گا، وہ کوئی کام نہیں بتائے گا، بلکہ وہ تو لوگوں کو (ان کے ہر کام کا) بدلہ دے دیا کریگا، اسی روز (یعنی زمانہ) کو سنیچر کہا گیا ہے، اور اس کے احترام کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے، اور وہ قائمؑ القیامت علیہ السّلام کا دن ہے،

پس ہم (بطور خلاصہ) یہ کہتے ہیں، کہ آدم علیہ السّلام عالمِ دین کے اتوار ہیں، نوح علیہ السّلام سوموار ہیں، ابراہیم علیہ السّلام منگل وار ہیں، موسیٰ علیہ السّلام بدھوار ہیں، عیسیٰ علیہ السّلام جمعرات ہیں، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم عالمِ دین کے روزِ جمعہ ہیں، اور سنیچر کے آنے کا اِنتظار کیا جاتا ہے، اور اس روز صرف ان لوگوں کے لئے آرام و آسائش ہوگی، جنہوں نے ان دنوں کو بحقیقت پہچان لیا ہو اور بحقیقت ان کو جانتے ہوں، اور ان کے فرامین پر دانش سے عمل کئے ہوئے ہوں، اور جو شخص عالمِ جسمانی میں اپنے جسم کے ذریعہ عمل کرے اور نفس (جان) کے ذریعہ اس کے معنی سمجھے تو اس کا پُورا ثواب کل عالمِ رُوحانی میں اُسے حاصل ہوگا،

پیغمبروں کے بھیجے جانے کی واجبیت کے بارے میں ہم نے

اپنے زمانے کے مطابق بیان کر دیا۔

کلام - ۹

قرآن اور اس کی تاویل کے اثبات کے بارے میں

ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق (یعنی مدد و یاری) سے یہ بتائیں گے، کہ عالمِ جسمانی کی پائداری کا انحصار قرآنِ پاک پر ہے، اس قول کی واقعیت کے متعلق ہم ایک عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ انسان دُنیا کی تمام مخلوقات میں سے انتہائی آخری مخلوق ہے کیونکہ عالم کی تینوں مخلوقات یعنی معدنیات، نباتات اور حیوانات کا خلاصہ اسی میں پایا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ خود اپنی ذات کے اعتبار سے (ایک گرانقدر) گوہر بھی ہے، اور اس گوہر کے پہچاننے اور قدر و قیمت کرنے والا بھی، نباتات کی طرح اُگنے بڑھنے والا بھی ہے، اور حیوانات کی طرح کھانے پینے والا بھی، نیز نطق و دانش کے عالم میں نباتات اور حیوانات سے افضل بھی ہے۔

پس یہ بات درست ہُوئی، کہ انسان سے زیادہ مکمّل اور کوئی چیز اس عالم سے وجُود میں نہیں آئی ہے، اور جو چیز ایسی ہو، کہ اس سے بہت سی چیزیں پیدا ہوتی ہوں، اس سبب سے کہ وہ سب سے زیادہ مکمّل ہے، تو ایسی چیز دراصل اُن پہلی چیزوں سے بھی پہلی اور ان کی جڑ کی حیثیت سے ہُوا کرتی ہے، اور ان پہلی چیزوں کا دار و مدار ایسی چیز پہ ہوتا ہے، اور چیزوں کی پائیداری کا انحصار تو اصُولاً اِس چیز پہ ہوتا ہے، جو ان کی اصل (یعنی جڑ) کی حیثیت سے ہے۔

مذکورہ فصل کی ایک مثال یہ ہے، کہ انروٹ کے درخت سے بہت سی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، جیسے پتّے، شاخیں، جڑیں اور چھلکے اور جو چیز اس درخت سے سب سے اخیر میں پیدا ہوتی ہے وہ انروٹ ہی ہے، جس میں ان دُوسری چیزوں کے تمام خلاصے (معنی) موجُود ہوتے ہیں اور یہ اپنے تیل اور ذائقہ کی وجہ سے ان چیزوں پر فضیلت رکھتا ہے، وہی سب سے مکمّل چیز ہے، وہی انروٹ کے درخت کی اصل ہے، اور درخت کی پائداری کا انحصار اسی پر ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اگر وہ ابتدائی انروٹ نہ ہوتا، تو یہ درخت وجُود ہی میں نہیں آسکتا، دُوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ درخت انروٹ کا پھل نہ لائے، تو اسے کاٹ دیا جائیگا، اور اس کو جلانے کی لکڑی کر دیا جائیگا۔

ہم اپنے اصلی بیان کی طرف رجُوع کر کے کہتے ہیں، کہ جب اس عالم میں اِنسان سے بڑھ کر کوئی اکمل شئے پیدا نہیں ہُوئی، تو لازم آتا

ہے کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا نفسِ کُلّی ہی ہے، اور واقعہ یہ ہے، کہ انسانی نفس جو نفسِ کُلّی کی تخلیقات میں سب سے اخیر میں پیدا ہُوا، نفسِ کُلّی کا جزو ہے، جب یہ حقیقتِ حال ثابت ہُوئی، تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان کو بفرض محال دُنیا سے اُٹھا لیا جائے، تو لازمی ہے کہ دُنیا دو وجہوں سے نیست ہو جائے گی، ایک وجہ یہ ہوگی کہ انسان کا خاتمہ اس کے سرمایہ (یعنی خورد و نوش وغیرہ کی چیزیں) عالم سے منقطع ہونے کے سبب سے ہوگا (اور یہ تو صرف دُنیا سے نفسِ کُلّی کے دست بردار ہو جانے کے سبب سے ہوگا، پس اگر دُنیا بنانے والے کی عنایت دُنیا سے منقطع ہو جائے، تو وہ فنا ہو جائے گی، دُوسری وجہ یہ کہ اگر عالم میں انسان نہ ہو، تو عالم بیابان ہوگا، اور نباتات نہیں اُگیں گی، اِس لئے کہ یہی انسان ہے، جو (نہروں کے) پانی سے زمین آباد کرتا ہے تاکہ اس میں نباتات اُگ سکیں اور جہاں کوئی انسان نہیں وہاں کوئی آبادی نہیں، اگر انسانی ذرائع نہ ہوں، تو درندے دُوسرے ان جانوروں کو جن میں (تعمیری) بہتری ہے، ہلاک کریں گے، اور انسان کے نہ ہونے کی وجہ سے عالم نیست ہو جائے گا، اِس لئے کہ عالِم (یعنی جاننے والا) تو انسان ہے، اور عالَم (یعنی جانا ہوا) جہان ہے، پس جاننے والے کے بغیر جانا ہُوا نہیں ہو سکتا، اور یہ ایک کفایہ کُن بیان ہے۔

جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ بقائے عالم کا دار و مدار اِنسانی

بقاء پر ہے، تو ہم یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ انسانی بقاء کا انحصار قرآن پاک پر ہے، اِس لئے کہ قرآن اور اس کے احکام ہی کی بدولت ہر شخص دُنیا میں اپنی ملکیت کا مالک ہے، اور اگر لوگوں کے درمیان خُدا کی کتاب نہ ہو، تو وہ ایک دُوسرے کو ہلاک کریں گے، اور کوئی شخص حصُولِ علم اور طلبِ فضیلت کے قابل نہ ہو سکے گا، پھر لوگ مویشیوں ہی کی طرح ہوں گے، جس طرح ان علاقوں کا حال ہے جہاں کے لوگوں کے درمیان علم و حکمت نہیں، اور وہ لوگ مویشی اور درندے جیسے ہوتے ہیں، جس طرح ملک خراسان میں "یکجب" قوم کے لوگ ہیں، صوبۂ کرمان میں "کوفج" کے لوگ ہیں، اور عرب میں "بدّو" ہیں، جن سے بُرائی کے سوا اور کچھ نہیں آتا ہے، کیونکہ وہ اپنی ہی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور پھر جنگل و بیابان ہی میں انسانیت کی حد بندیوں سے باہر نکلے ہوتے ہیں۔

مباحثہ

اگر کوئی شخص یہ کہے، کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں، کہ وہ بہتری کے ساتھ ہیں، حالانکہ وہ قرآن کو نہیں مانتے ہیں، جیسے رومن، روسی، ہندو، وغیرہ، میں اسے یہ جواب دوں گا، کہ جس گروہ کے پاس کوئی آسمانی دلیل (آسمانی کتاب) موجود ہو، تو یُوں سمجھنا چاہیئے کہ ان کے درمیان خُدا کی کتاب موجود ہے، اور خُدا کی ساری کتابیں (اپنی اصلی صورت

میں، قرآن ہی ہیں، اور ان کتابوں میں بحقیقت کوئی اختلاف نہیں، اور نادان لوگ جو کچھ توراۃ، انجیل اور قرآن کے درمیان اختلاف سمجھتے ہیں، وہ حقیقت میں کوئی اختلاف ہی نہیں، سوائے اس کے کہ لفظ، مثال اور اشارہ کی ظاہریت میں اختلاف ہے، پس رومنوں کے درمیان انجیل، رُوسیوں کے درمیان توراۃ اور ہندوؤں کے درمیان صحفِ ابراہیم موجود ہے، اور جو دانا ہندوؤں کا حال پوچھے، تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ سارے دُنیا والوں میں سب سے زیادہ تقلید کرنے والے ہیں، کیونکہ وہ ایک ایسے شخص کے کہنے سے اپنے آپ کو جلا دیتے ہیں، جس نے ان کو بتایا ہے، کہ اگر تم اپنے آپ کو جلا دوگے تو بہشت میں پہنچوگے، تاکہ تناسُخ کے ذریعہ پھر دُنیا میں آسکو، تناسُخ ایک ایسا مذہب ہے جس کے ماننے والے یہ کہتے ہیں، کہ جسم کی فنا (یعنی جلانے) کے بعد (رُوح کی) ہر اس گروہ کو بے تعلق کیا جاتا ہے، جس کا تعلق اس جسم کے ساتھ ہے، اور (یہ حقیقت ہے کہ کسی آسمانی) کتاب کی ظاہریت کے بغیر لوگ قید تقلید میں نہیں ٹھہر سکتے، (اور یہ بھی معلوم ہے) کہ ہندو دانشمند انتہائی پرہیزگار ہوتے ہیں، ان کے درمیان زنا اور اغلام نہیں، وہ جھوٹ نہیں بولتے اور جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے، اور ان کے پاس ایک کتاب ہے جس کے متعلق وہ کہتے ہیں، کہ یہ خدا کا کلام ہے، میں نے ان کے دانشمندوں سے ایسی بہت سی باتیں سُنی ہیں، پس یہ ثابت ہوا، کہ انسانی بہتری قرآن میں ہے، اور عالمی بہتری انسان میں ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ عالم کی پائنداری اور بہتری (دراصل) قرآن میں ہے؛ اور قرآن خدا کا وہ کلام ہے، جو علم و عمل قائم رکھنے کے لیے لوگوں کو فرمایا گیا ہے اِس لیے کہ انسان ان دو طریقوں پر قادر ہیں: یا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ کو عمل میں لاتے ہیں، یا ان کے معانی جانتے ہیں، نفس لطیف کو پہچانتے ہیں، عالمِ لطیف کا تصوّر کرتے ہیں اور دلائل کے ذریعہ اس عالمِ کثیف ہی سے اُس عالمِ لطیف کی رسائی کر لیتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان (بھی) قرآن میں دو وجہوں سے ہے:

یا تو عمل کے لئے فرمایا ہوا ہے، چنانچہ:۔

"وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" ۲/۴۰

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو" اور جیسا کہ فرمایا:۔

"وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ" ۹/۱۰۵

(اے محمدؐ!) آپ کہہ دیجیئے کہ عمل کئے جاؤ، سو دیکھ لے گا تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسُول"۔ یا فرمایا ہُوا ہے، کہ جان لو، جیسا کہ فرمایا:۔

"وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" ۸/۲۸

اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے"۔ اور جس طرح فرمایا:۔

"فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" ۵/۳۴

جان لو، کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

پس ہمیں یہ کہنا ہوگا کہ قرآن (درحقیقت) اس شخص نے قبول کرلیا ہے، جو کام کرنے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی، عربی میں کام کو عمل اور جاننے کو علم کہتے ہیں، اور یہ دونوں لفظ تین حروف سے بنے ہیں، جیسے: ع، ل، م، اور عمل بھی انہی تین حروف کا ایک لفظ ہے، جیسے: ع، م، ل، اسی طرح انسان کا دینی کام ایک ہی ہے، جو اس کی تین چیزوں سے متعلق ہے، جس میں سے ایک تو انسان کے کان کا کام ہے، جو دین کے بارے میں انسان حق بات سُنتا ہے، دُوسرا انسان کی زبان کا کام ہے جو دین کے بارے میں انسان حق بات کہتا ہے، جس میں کلمۂ اخلاص اور دُوسری باتیں آتی ہیں، تیسرا انسان کے جسم کا کام ہے، جو کرتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ، اور علم بھی تین حروف کا ایک لفظ ہے، جس طرح انسان کی دانش ایک ہے، جو انسانی نفس کی تین قوّتوں پر مشتمل ہے، جن میں سے ایک تو قوّتِ حسّی ہے جس کے ذریعہ انسان دین سے متعلق محسوسات، از قسم شرعی موضوعات کی ظاہری صُورتیں سمجھ لیتا ہے، کہ نماز کس طرح پڑھنی چاہیئے، روزہ کس طرح رکھنا چاہیئے، مناسک یعنی جن چیزوں کے ذریعہ حج درست ہوتا ہے، کیا ہیں اور کس طرح ہیں وغیرہ دُوسری قوّتِ حلق ہے، جس کے ذریعہ انسان اقوال کہتے ہیں، اور نفسِ ناطقہ کو سُناتے ہیں اور سُننے والا ان اقوال پر حاوی ہو جاتا ہے، تیسری قوّتِ عقل ہے، جس کے ذریعے انسان توحید

کو تشبیہ اور تعطیل سے مجرّد کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدت کو نہ تو کسی چیز کے مانند قرار دیتا ہے اور نہ اس کی وحدت سے انکار کرتا ہے) اور وہ جانتا ہے، کہ انسان کی عقل چیزوں پر حاوی ہو جاتی ہے، اور وہ اس کے لئے ایک عطا ہے، کہ وہ عطا اسے ایک ایسی ہستی کی طرف سے ہے، جو خود اس (کی احتیاج) سے برتر ہے، اور یہ توحید کو مجرّد کرنے کا ایک اشارہ ہے۔

پس خلاصہ یہ ہُوا، کہ (انسان کی دینداری سے متعلق) ساری چیزیں مجموعاً دو ہیں، جو ایک علم ہے اور دُوسری چیز عمل، جب یہ دونوں چیزیں (کسی انسان میں) جمع ہو جائیں تو لوگ اسے دیندار کہتے ہیں، جس طرح انسان میں رُوح اور جسم ہے، جب دونوں چیزیں جمع ہو جائیں، تو اسے انسان کہا جاتا ہے، عمل دین کے لئے جسم کی طرح ہے، اور علم دین کے لئے رُوح کی طرح ہے، اور جو شخص علم کے بغیر عمل کرتا ہے، تو اس کے دین میں جان نہیں، بلکہ مُردار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مُردار کو حرام کر دیا ہے جس کی تاویل یہ ہے، کہ بے علم عمل نامقبول یعنی حرام ہے، جس طرح مُردار حرام ہے، اور جو شخص علم سیکھے اور عمل نہ کرے، تو اس کا کوئی دین ہی نہیں، اِس لئے کہ دُنیا میں کسی بلا جسم رُوح کا اثبات ہو نہیں سکتا، اور بے عمل علم سے بے علم عمل بہتر ہے، چُنانچہ کچھ نہ ہونے سے مُردار بہتر ہے۔

حساب جمل کے مطابق "علم" اور "عمل" دونوں (لفظوں) میں سے ہر ایک کا مجموعہ ایک سَو چالیس (۱۴۰) بنتا ہے، جن کے چودہ عقد ہوتے ہیں یعنی

وہ اس طرح، کہ سَو کے دس عقد ہوتے ہیں اور چالیس^۴۰ کے چار عقد بنتے ہیں، کیونکہ ہر دس کا ایک عقد ہوتا ہے (اسی طرح دس اور چار) مجموعاً چودہ^۱۴ عقد ہوتے ہیں اور چودہ^۱۴ دو^۲ دفعہ سات ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو احسان جتاتا ہے، چنانچہ فرمایا :-

"وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۱۵/۸۷

یعنی اے محمدؐ! ہم نے آپ کو ایک ایسا سات دیا جو دہرا ہے، اور قرآنِ عظیم دیا۔" اور اس آیت کی تاویل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ایک ایسا دین دیا، جو ان دو چیزوں سے آراستہ تھا، ان میں سے ایک تو علم تھا اور دوسرا عمل، کہ ہر ایک عقود کے حساب سے دو دفعہ سات ہے اور قرآنِ عظیم علم و عمل کا جامع ہے، جس کا ذکر قبل ازیں ہو چکا۔

اب ہمیں یہ کہنا ہے کہ قرآن وہ ہے، جس کے ذریعہ دُنیا کا قیام ہے، مُسلمانوں میں (قرآن کی ماہیت کے متعلق) اختلاف ہُوا، ایک گروہ نے کہا، کہ یہ خُدا کا کہا ہُوا ہے، اور دُوسرے گروہ نے کہا، کہ یہ خُدا کا پیدا کیا ہُوا ہے، اور دونوں گروہوں نے سچ کہا، مگر اُنہوں نے خود ان (دونوں باتوں) کے معنی نہیں سمجھا اور ہم اس مقام پر اس کا بیان کریں گے، کہ قرآن اِس اعتبار سے خُدا کا قول ہے، اور مخلوق نہیں، کہ عقلِ کُلّ کی تائید نفسِ کُلّ کی وساطت سے ان کلمات کی حقیقت کے ساتھ

آئی ہے، جو آج مصحفوں میں لکھے ہوئے ہیں، اور (یہ تائید وحقیقت) رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پاکیزہ نفس ہی کو پہنچی ہے، اور عقل کُلّ مخلوق نہیں، نہ نفسِ کُلّ مخلوق ہے، بلکہ وہ دونوں بندگانِ بسیط[1] ہیں، اور بغیر کسی چیز سے پیدا کئے گئے ہیں، اور مخلوق وہ چیز ہوتی ہے، جو کسی دُوسری چیز سے پیدا کی گئی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِيْنٍ ۲۳/۱۲

یعنی ہم نے اِنسان کو مٹّی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔" اور جب قرآن اُس غیر مخلوق عقل ونفس سے ہے، تو درست ہُوا، کہ مخلوق نہیں ہے، اور جب انسان کی طاقت ان دو طریقوں میں تھی (جن میں سے ایک تو یہ) کہ جب کسی نے کچھ کہا اور کچھ کیا، تو انسان نے اُسی (قول وعمل) کو مخلوق سمجھا، اور (دُوسرا یہ کہ) جو چیز غیر مخلوق تھی، تو اسے احاطہ قول سے برتر سمجھا، لیکن قرآن (اس کے باوجُود بھی) مخلوق نہیں خُدا کا قول ہے، اور ہم قرآن کو خُدا کا قول اس وجہ سے کہتے ہیں، کہ قرآن عقل کُلّ کی تائید اور نفسِ کُلّ کی وساطت سے ہے، اور عقل ونفس خُدا کے امر سے موجُود ہوئے ہیں، اور خُدا کا امر (ایک خاص) کلیمہ ہے، جس کی (بلفظ دیگر)

---

[1] : بسیط : مُفرد، غیر مُرکّب، یعنی وہ چیز جو یکتا ہو، مُرکّب کے برعکس، جو کئی چیزوں سے مِل کر بنی ہُوئی چیز کو کہتے ہیں۔

"کن" سے عبارت کی گئی ہے، پس ہم نے کہا کہ قرآن وہی کلیمہ ہے، جو (دُوسرے لفظ میں) "کن" ہے تو وہ کسی چیز سے بنا ہُوا نہیں (یعنی مخلوق نہیں)۔

اب ہم قرآن کے ظاہری پہلو کی طرف متوجّہ ہُوئے، تو بتائیں گے، کہ قرآن مخلوق ہے، اس اعتبار سے کہ آج مصحفوں میں لکھا ہُوا ہے، اس میں سورے ہیں، جو آیات سے مُرکّب ہیں، آیات کلمات سے مُرکّب ہیں، اور کلمات حروف سے بنے ہیں، اور جو چیز بہت سی چیزوں سے مُرکّب ہُوئی ہو، وہ مخلوق ہی ہے، پس آج جو کچھ مصحفوں میں لکھا ہُوا ہے وہ مخلوق ہے، مگر جس وقت رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دل پر نازل ہُوا، تو مخلوق نہ تھا، لیکن رسُول علیہ السّلام نے بموجب فرمانِ الٰہی اُسے عربی زبان میں کہا، تو مخلوق ہُوا، اس لئے کہ رسُول علیہ السّلام مخلوق تھے، اور مخلوق سوائے مخلوق کے اور کسی چیز پر قادر نہیں ہوسکتا، آج اگر قرآن مخلوق نہ ہوتا، تو لوگ اس پر قادر نہ ہوتے اور اس سے واقف نہ ہوتے، اس سے قبل کہ رسُول علیہ السّلام نے قرآن کو عربی زبان میں کہا، آنحضرت نے اپنے پاک نفس کے ذریعہ اس کو حاصل کر لیا تھا، جو حروف و کلمات کے بغیر بسیط (غیر مُرکّب) تھا، آج مخلوق ہے۔

اَب، ہم اس کا بیان لفظ "قرآن"، ہی سے ظاہر کریں گے، کہ لفظ "قرآن" چار حروف سے بنا ہُوا ہے، ان میں سے دو۲ ایک دُوسرے سے ملے ہُوئے ہُوتے ہیں، جیسے "ق" اور "ر" (قر) اور دو۲ ایک دُوسرے

سے جُدا ہیں، جیسے "ا" اور "ن" (آن) اور یہ دو۲ لفظِ قرآن (یعنی قر اور آن) قرین سے لئے گئے ہیں، پس، لازم آتا ہے، کہ قرآن چار قرین (ساتھی) سے گزر کر لوگوں کو پہنچا ہے، اور اُن چاروں میں سے دو۲ "قُر" کی طرح مُرکّب ہیں، اور دو۲ "آن" کی طرح بسیط ہیں اور ہمیں قرآن ان دو مُرکّب سے ملا ہے، جن کو قرآن اُن دونوں بسیط سے ملا تھا، اور وہ دونوں مُرکّب ناطق اور ان کے اساس ہیں، جو ایک دُوسرے کے قرین (ہمنشین) ہیں، اور جسم و نفس سے مُرکّب ہیں، لفظ قرآن کے ان پہلے دو حرفوں کی طرح جو مُرکّب ہیں، جیسے "قُر" اور یہ دو مُرکّب (ناطق و اساس) اُن دو بسیط کے ذریعہ مکمّل ہو جاتے ہیں، جس طرح لفظ "قرآن" الف و نون کے ذریعہ مکمّل ہے۔

پس الف و نون عقل و نفس کی مثال ہیں، کہ ناطق اور اساس کی تالیف و تاویل میں انہی سے تائید حاصل ہے، اور وہ مُرکّب نہیں بلکہ بسیط ہیں، جس طرح یہ دونوں حروف مُرکّب نہیں، اور الف عقل کُلّ کی دلیل ہے کیونکہ وہ سارے حروف سے جُدا ہے، کہ جب لکھنے والا اس تک پہنچے تو اس کا سلسلۂ تحریر ٹوٹ جاتا ہے، اِس لئے کہ الف کے اُوپر کی طرف سے کوئی چیز متصل نہیں، اور وہ تحریری چیزوں کا آغاز ہی ہے، حروف الف کے ساتھ نیچے سے مل جاتے ہیں، مگر الف دُوسرے حروف کے ساتھ نیچے سے نہیں ملتا، جس طرح ساری چیزیں اپنے اُوپر کی طرف سے عقل کے ساتھ متصل ہیں، مگر عقل اپنے اُوپر کی طرف سے کسی چیز کے ساتھ متصل نہیں اور نون نفس کُلّ

کی دلیل ہے، چنانچہ وہ ایک ایسا خط ہے، جو سرے سے سرا متصل ہُوا چاہتا ہے، اور ہنوز متصل نہیں ہُوا ہے، جس طرح نفس کُلّ کا حال عقل کُلّ سے فائدہ لینے سے عقل کُلّ کے درجہ میں پہنچ ہی رہا ہے، مگر ابھی نہیں پہنچا ہے۔

اِسی طرح ترتیب تلفظ میں یعنی حرفِ "نون" کے حروف شماری میں پہلے نون آیا ہے اور اخیر میں بھی نون ہی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ ہر آخر اپنے اوّل کی طرح ہوگا، (یعنی ہر دُوسری چیز اپنی پہلی چیز کی طرح ہوگی) اوّل عقل ہے اور آخر نفس ہے، پھر نفس عقل ہی طرح ہوگا، اور ان چار حروف میں سب سے پہلے "قاف" ہے، جو اساس کی دلیل ہے کہ مومن کو اسی سے ناطق کا راستہ مل سکتا ہے، اور اُس کو پہچانتا ہے اور "را" ناطق کی دلیل ہے، "قاف" کا حساب جمل سَو ہے، اور "را" کا دُو سو ہے، یعنی کہ ناطق تاویل و تالیف کے دو مراتب کے مالک ہیں اور اساس ایک ہی مرتبے کے مالک ہیں، جو تاویل کا مرتبہ ہے، عالمِ دین میں ناطق کو رجُولیت کا مرتبہ ہے، اور اساس کو نسوانیت کا مرتبہ ہے، چُنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" ۴/۱۷۶

یعنی ایک مرد کو دو عورتوں کے حصّے کے برابر ہے۔" الف جو عقل کی دلیل ہے، حساب میں ایک کا عدد رکھتا ہے، جس کے معنی ہیں کہ

عقل ساری موجودات کی علّت (سبب پیدائش) ہے، جس طرح گنتی میں "ایک" سارے اعداد کی علّت ہے، اور "نون" نفس کی دلیل ہے کیونکہ وہ چار عناصر کا اور موالید کا، جو ان کا پانچواں ہے، پیدا کرنے والا ہے جس طرح نون کا حساب پچاس ہوتا ہے، جس کے پانچ عقد بنتے ہیں اور لفظ قرآن کے "قاف" اور "را" عمل کی مثال ہیں، جو جسم مُرکّب کا حِصّہ ہے، اور اسی لفظ کے "الف" اور "نُون" عِلم کی مثال ہیں، جو نفسِ بسیط کا حِصّہ ہے، عِلم کے بغیر عمل چوپایوں کا حِصّہ ہے، عمل کے بغیر علم فرشتوں کا حِصّہ ہے اور علم و عمل دونوں انسانوں کا حِصّہ ہے، کیونکہ وہ جسم کے اعتبار سے حیوانات کے ساتھ شریک ہیں، اور نفس دانا کے لحاظ سے حیوانات کے ساتھ شریک نہیں، بلکہ وہ فرشتوں کے ہمسر ہیں (پس دونوں امکانی صُورتوں کی وجہ سے ابتداءً انسان) حیوانات اور فرشتوں کے درمیان متوسط ہے، تاکہ وہ علم و عمل کے ذریعہ حیوانیت سے ملکوتیّت میں پہنچ سکے۔

قرآن کے الفاظ مختلف آئے ہیں، نیز تمام پیغمبروں کی شریعتوں کے اعمال بھی مختلف واقع ہُوئے ہیں، اِس لئے کہ یہ دونوں انسان کے جسم کی طرح تھے، کہ اِنسانوں کے اجسام مختلف ہی ہوتے ہیں، مگر خُدا کی کتابوں کے معانی اور انبیاء کی شریعتوں کی تاویل ایک ہی آئی ہے، اور وہ (حقیقتِ) حال خود ایک ہی ہے، اِس لئے، کہ وہ رُوحِ انسانی کی مثال ہے، اور رُوح کا حال بدل جانے والا نہیں، پس لفظ کو تنزیل

اور معنی (یعنی حقیقت) کو تاویل کہا گیا ہے۔

پس ہم ایک قریب تر مثال بیان کریں گے، اور تنزیل و تاویل کے درمیان فرق ظاہر کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

"وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا" ۹۱/۱-۲

یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی چاشتگاہ کی، اور چاند کی جب اس کے پیچھے چلے"۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قسم ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ اس سورج سے اللہ تعالیٰ کی مُراد رسول ہیں، جو عالمِ دین کے سورج ہیں، اور چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلنے سے اللہ تعالیٰ کی مُراد عالمِ دین میں رسول کے پیچھے ان کے وصی کا چلنا ہے، اور ان کی قابلِ تعریف سیرت مُراد ہے، اور تنزیل کے بعد کتاب کی تاویل کرنا مقصود ہے، اور یہی زیادہ بہتر ہے، کہ خُدا تعالیٰ اپنے رسول اور آنحضرت کے وصی کی قسم کھائے، بہ نسبت اس کے کہ بلا سمجھ گردش کرنے والا سورج اور چاند کی قسم کھائے، جن کی روشنی (کسی فرق و تمیز کے بغیر) ہر پاک و پلید پر پڑتی رہتی ہے، ہم نے قرآن (کی ماہیّت) کی تشریح و توضیح کر دی، اور اس کی تاویل کی واجبیّت اور ابتدائی ترکیب کا بطور اختصار و اکتفا تذکرہ کر دیا۔

کلام - ۱۰

کتاب (قرآن)، اور شریعت کے ظاہر و باطن کے بارے میں

باری سُبحانہٗ، وتعالیٰ کی توفیق سے بتایا جاتا ہے کہ دین اسلام کے بعض انجان اور سُست لوگ شیعہء حق کو باطل قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ کافر ہیں، بغیر اس کے کہ وہ ان کے مذہب کی حقیقت تک رسا ہو جائیں، اور کسی دانشمند کے لئے بہتر طریقہ وہ ہوتا ہے، کہ اپنے مخالف کے احوال کی بابت پُوچھا کرے، اور اس کے ساتھ گفتگو اس کی حقداری کے اندازے سے کرے، تاکہ وہ جاہلوں کی عادت کا عامل نہ بن جائے، اور اس کو بدخصلتی کی نسبت نہ دی جائے، جو شخص اسلام کے کسی مومن کو کوئی طعنہ دیتا ہو، اس کے بغیر کہ وہ اس کے اعتقادات جانتا ہے، اور بجز اس کے کہ اُس کو اِس شخص سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ بلکہ بلا وجہ شوئی بد کو عمل میں لانے کے لئے اِسے

تکلیف دیتا ہے تو اس کی مثال کُتّے کی طرح ہے۔ کہ ایک شخص اپنے راستے پر نظر جمائے ہُوئے اپنے کام کے لئے جا رہا ہے، تو وہ ایک گلی سے نکل کر اس شخص پر حملہ آور ہوتا ہے، اس کے کپڑوں کو پھاڑتا ہے، اور اسے زخمی کر دیتا ہے چُنانچہ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

"فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۱۷۶

یعنی اس کی مثال کُتّے کی مثال جیسی ہے، اگر تو اسے مارے تب بھی زبان ڈالتا ہے، یعنی بھونکتا ہے یا اِسے چھوڑے تب بھی بھونکتا اور رنج دیتا ہے، اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے، جنہوں نے ہماری نِشانیوں کو جُھٹلا یا (یعنی اُنہوں نے امامانِ حق کی اطاعت نہیں کی) پس آپ اے مُحمّدؐ قصّے بیان کیجئے، شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔" اور وہ نادان لوگ شیعوں کو ستاتے ہیں، اِس لئے کہ یہ ان سے الگ ہُوئے ہیں جیساکہ خُدا تعالیٰ نے فرمایا، لازماً وہ تاریکی، نادانی اور نابینائی میں ہلاک ہو جاتے ہیں، ہم اس مقام پر باطن کے اثبات کے باب میں بیان کریں گے، تاکہ شاید اللہ تعالیٰ کسی کو ہوش دے، جس سے وہ حق دیکھے اور مومنوں کو انجانے نہ ستائے۔

ہمارا بیان ہے کہ دُنیا میں جو کچھ ہے، وہ دو[۲] قسم کا ہے، یا تو ظاہر

ہے یا باطن جو کچھ ظاہر ہے وہ آشکار ہے، کہ آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ پایا جاتا ہے، جن کو حواس کہا جاتا ہے، اور جو چیزیں حواس کے ذریعہ پائی جاتی ہیں، انہیں محسوسات کہتے ہیں، اور جو چیزیں باطن یعنی پوشیدہ ہیں؛ اور لوگ ان کو حِسّ کے ذریعہ پا نہیں سکتے، بلکہ حکمت والے ان کو عقل و علم ہی کے ذریعہ پا سکتے ہیں، تو ان کو معقولات کہتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ آشکار ہے وہ بذاتِ خود آشکار ہے۔ اِس وجہ سے نہیں، کہ لوگ اس کو حواس کے ذریعہ پا لیتے ہیں، بلکہ لوگ اس کو پائیں یا نہ پائیں وہ تو خود آشکار ہی ہے، جس طرح یہ دُنیا اور اس میں جو کچھ ہے، کہ اگر لوگ اس کو نہ دیکھیں، تو یہ پوشیدہ نہ ہوگی، بلکہ اس کی ظاہریت یہ ہے، کہ اگر دُرست حِسّ اس تک پہنچے تو اس کو پا لیتی ہے، ہمارا کہنا ہے کہ اسی طرح وہ چیز جو پوشیدہ ہے، بذاتِ خود پوشیدہ ہے اور اگر لوگ اس کو عقل کے ذریعہ نہ پائیں تو وہ چیز پوشیدگی کی حد سے باہر نہ آئے گی، اور انسان کے پا لینے سے بھی وہ ظاہر نہیں ہوگی، جس طرح جو کچھ آشکار ہے، وہ انسان کے پا لینے سے پوشیدہ نہیں ہوتی، اور پوشیدہ تو عالمِ لطیف، انسان کی جان، عالم کی محدّثی، وقت کا گزر جانا، صانع کا اثبات وغیرہ ہیں، اور ان چیزوں کی پوشیدگی یہ ہے، کہ لوگ حواس کے ذریعہ ان کو نہیں پا سکتے ہیں۔

جب ہم نے یہ ثابت کر دیا، کہ جو کچھ ظاہر ہے وہ ہرگز پوشیدہ نہ

ہوگا، اور جو کچھ پوشیدہ ہے، وہ ہرگز آشکار نہ ہوگا، تو ہمارا کہنا ہے کہ اس بارے میں شیعہ (گروہ امامیہ) کا قول یہ ہے، کہ جو عبادات عمل میں لائی جاتی ہیں اور حِسّ کے ذریعہ پائی جاسکتی ہیں، تو وہ ظاہر کہلاتی ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد وغیرہ، اور مادی چیزوں میں سے آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، کہ جن کے حواس درست ہیں وہ ان چیزوں کے پانے میں برابر ہیں اور یہ ساری چیزیں ظاہر ہیں، اِس لئے کہ ہر حِسّ والے کو دُوسرے پر ان چیزوں کے دیکھ پانے میں کوئی فضل نہیں، اور جب "باطن" کہا جاتا ہے تو باطن سے اِن کی مُراد وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کو پانے کے لئے حِس کو کوئی راستہ نہیں، جیسے ہر اُس چیز کا سببِ پیدائش جو عنصر، طبائع اور ارکان (مادی اجزاء) سے بنی ہے، اور جو کچھ موجود پایا گیا ہے اور چیزیں تقسیم کی گئی ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ کوئی مطلوبہ چیز آشکار چیزوں میں سے ہے، یا پوشیدہ چیزوں میں سے، کیونکہ ہر مطلوبہ چیز حِس کے ذریعہ پائی نہیں جاتی ہے، اور نہ وہم و فہم کے ذریعہ پائی جاتی ہے جیسے علمِ توحید، اثباتِ نبوّت، بہشت، دوزخ، ثواب، عذاب، حشر، حساب، فنائے عالم وغیرہ اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی پوشیدگی کی وجہ سے لوگ ان کی دریافت میں ایک دُوسرے پر فضل و شرف رکھتے ہیں، بہ سبب حصُول (معنی) کہ ان چیزوں میں سے ہر ایک میں جو کچھ معنی ہیں وہ دُوسری میں نہیں، اور اگر باطن چیزیں نہ ہوتیں، تو کسی کو ایک دُوسرے

پر فضل نہ ہوتا، اس لئے کہ ظاہر چیزیں لوگوں کے لئے یکساں ہیں، اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ہم نے لوگوں کو ایک دُوسرے پر درجات میں رفعت دی ہے قولہ تعالیٰ:۔

"وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِيّاً" ۴۲/۳۲

یعنی ہم نے ان میں سے ایک گروہ کو دُوسرے پر درجات میں رفعت دی تاکہ ایک گروہ دُوسرے گروہ کو مسخّر کرے"۔ پس یہ آیت پوشیدہ چیزوں کے اثبات پر دلالت کرتی ہے اور درجات ہیں نہیں مگر دین میں، اور اگر یہ درجات ظاہر چیزوں میں ہوتے، سب لوگ ظاہر میں یکساں ہیں (پھر) درجات لازم نہیں آتے، اور جب بموجب فرمانِ الٰہی درجات ثابت ہیں، پس عالم باطن بھی ثابت ہے، اور "ظاہر" ایسا ہے، جس طرح ہم کہتے ہیں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" جب ہم ان کلمات کو مُنہ میں زبان کی حرکت اور آواز کے ذریعہ ادا کرتے ہیں، تو تمام سُننے والے ان کلمات کے سُننے میں یکساں ہوتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محسوس اور ظاہر ہیں، اور ان کلمات کی تاویل ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے صرف داناؤں کے لئے مخصوص ہے، نہ کہ ہر سُننے والے کے لئے، اور دانا لوگ سُننے والوں کے ساتھ اس کے سُننے میں شریک ہیں، مگر سُننے والے داناؤں کے ساتھ اس کے سمجھنے میں شریک نہیں، کیونکہ وہ تو پوشیدہ ہے، اور اگر بِسمِ اللہ الرّحمٰن الرّحیم کے معنی کلیم کے ظاہر

کی طرح آشکار ہوتے تو ہر سُننے والا اس کے معنی سمجھ سکتا، اور کوئی دانشمند اس قول سے منکر نہ ہو سکے گا۔

کتاب و شریعت کے باطن کے ثبوت پر یہ دلیل پیش کروں گا، کہ کوئی ظاہر چیز نہیں، مگر اس کا قیام اس کے باطن پر ہے، آسمان سے لے کر زمین تک، اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، اس لئے کہ آسمان سے جو کچھ ظاہر ہے، وہ یہی نیلا رنگ ہے، جو دکھائی دے رہا ہے، اور سورج، چاند اور ستاروں سے اِس روشنی کے سوا اور کوئی چیز ظاہر نہیں، چُنانچہ آسمان میں یہ ظاہر نہیں، کہ جب سورج برج حمل میں پہنچتا ہے، تو زمین کیونکر ہری بھری ہو جاتی ہے، اور جب سورج برج میزان میں پہنچتا ہے، تو درختوں کے پتّے (کس وجہ سے) پیلے ہو جاتے ہیں، پھر وہ پتّے (کس سبب سے) جھڑ جاتے ہیں، اور اسی طرح دُوسرے موسموں کی حقیقت بھی جو اس کے لئے ظاہر نہیں کہ سال میں (کس طرح) بارہ مہینے ہوتے ہیں، اور یہ ظاہر نہیں، کہ ماہ رمضان جو عربوں کے سال کا نواں مہینہ ہے (کیونکر افضل ہے) بلکہ وہ ان ساری (معقولات) کی طرح معقول ہے، نہ کہ محسوس، اور ہر ظاہر کا قیام اس کے باطن پر ہے جس طرح مجموعی طور پر عالم کا قیام انسان پر ہے، چُنانچہ اس کی دلیل قبلاً ہم نے اسی کتاب میں ظاہر کی ہے، اور ہر گوہر کی قیمت نہ اس کے ظاہر کی وجہ سے ہے، بلکہ اس کے باطن کی وجہ سے ہے، چُنانچہ سونا نہ اس

سبب سے قیمتی واقع ہُوا ہے، کہ وہ زرد اور پگھلنے والا ہے، کیونکہ اگر اصل کی قیمت اسی وجہ سے ہوتی تو پیتل بھی زرد اور پگھلنے والا ہے، سو یہ بھی قیمت میں اس کے برابر ہوتا، بلکہ سونے کی قیمت اس معنی (یعنی حقیقت) کی وجہ سے ہے، جو اس کے اندر ہے، اور وہ پیتل سے جُدا ہے، اور وہ ایک لطیف حقیقت ہے، اور نفس لطیف اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے، اور وہ حقیقت کسی لفظ میں لائی نہیں جا سکتی، مگر تقریبی مثال میں، اور اسی طرح زمین کے ظاہر میں یہ آشکار نہیں کہ اس سے اتنی قسم کی نباتات کس طرح اُگتی ہیں اور نباتات میں بھی یہ آشکار نہیں کہ اس سے کس طرح حیوان کو زندگی ملتی ہے۔

میرا کہنا ہے کہ اسی طرح ہی انسان کا جسم کثیف آشکار ہے، اور رُوح لطیف پوشیدہ ہے، یہ جہان فانی آشکار، اور وہ جہانِ باقی پوشیدہ ہے، مصنوع آشکار اور صانع پوشیدہ ہے، بُرے لوگ اچھے لوگوں کی نسبت آشکار ہیں اور اچھّے لوگ بُرے لوگوں کی نسبت پوشیدہ ہیں، پس اسی طرح خُدا کی کتاب اور رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شریعت آشکار ہے، اور ان کے معنی و تاویل نادانوں سے پوشیدہ ہے، مگر داناؤں کے لئے عیاں ہے، کیونکہ وہ تو اسی وجہ سے نادانوں سے ممتاز ہُوتے ہیں۔

ایک اور نکتہ یہ ہے کہ کتبِ (سماوی) اور شریعت و اجسام

کی طرح ہیں، اور معنی و تاویل ان اجسام کی دو ارواح کی طرح ہیں، اور جس طرح بغیر روح کے جسم خوار ہو جاتا ہے، اسی طرح تاویل اور معنی کے بغیر کتاب و شریعت کی بھی خدا کے نزدیک کوئی قدر نہیں چنانچہ رسول علیہ السّلام نے فرمایا:-

"اِنَّ اللّٰہَ اَسَّسَ دِیْنَہٗ عَلٰی اَمْثَالِ خَلْقِہٖ لِیُسْتَدَلَّ بِخَلْقِہٖ عَلٰی دِیْنِہٖ وَبِدِیْنِہٖ عَلٰی وَحْدَانِیَّتِہٖ"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بُنیاد اپنی خلقت کی طرح رکھی، تاکہ اس کی خلقت سے اس کے دین کی دلیل مل سکے، اور اس کے دین سے اس کی وحدانیت کی دلیل مل سکے" جب دُنیا کی خلقت میں یہ عیاں ہے، کہ چیزوں کے باطن ان کے ظاہر سے اشرف ہیں اور ہر چیز کے ظاہر کا قیام اس کے باطن پر ہے، تو لازم آتا ہے، کہ خُدا کا کلام اور رسُول کی شریعت بھی اپنے باطن ہی کی وجہ سے اشرف ہے، اور جو شخص اس کے باطن نہ سمجھتا ہو وہ دین کے کسی شمار میں نہیں اور رسُول اس سے بیزار ہے، بموجب قول خُدائے تعالیٰ:-

"فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ ۶/۳۵

پس آپ نادانوں سے نہ ہو جیئے" اور اس شخص سے زیادہ نادان کوئی نہیں، جو ایک ایسا کام کرتا ہے، کہ اس کے معنی نہیں سمجھتا، پس درست ہُوا کہ مومن شریعت کے باطن ہی کو سمجھنے سے رسول مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مل سکتا ہے، اِس لئے کہ وہ دانا ہو جاتا ہے،

جبکہ رسُول کے لئے یہ فرمان ہے، کہ آپ نادانوں سے نہ ہوجئے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ داناؤں میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا کرے، تاکہ ہم دانش سے عمل کریں، مُسلمانوں کو دُکھ نہ دیں، اپنی دانش پر مغرور نہ ہوجائیں، اور ہم یہ سمجھ لیں کہ (حکم):۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (۱۲/۷۶) ہر دانا سے برتر ایک اور دانا ہے "۔

جبکہ انسان جسم اور نفس ہے، جبکہ جسم اِس جہان کا ہے اور نفس اُس جہان کا ہے، جبکہ رسُول مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کے ظاہر قول کے ذریعہ لوگوں کو قتل کئے جانے، فروخت ہوجانے اور ان کے مال واولاد لُٹ جانے سے بچایا، جبکہ قول کا ظاہر جسم کی مثال ہے، اور معنی رُوح کی مثال ہیں، اور جبکہ انسانی جسم ظاہر قول کے ذریعہ (ظاہری عذاب سے) چھٹکارا پاتا ہے، تو یہ ہمیں اُس حقیقت کی دلیل ہوئی، کہ نفس، جو باطن ہے، جسم کے لئے ایسا ہے، جیسے قول کے معنی اور شریعت کی تاویل ہوتی ہے، پس نفس کا چھٹکارا کتاب (سماوی) اور شریعت کے باطن میں ہے، اور یہ حقیقتِ حال ہر اس شخص پر پوشیدہ نہ رہے گی جو چشمِ بصیرت رکھتا ہے، مگر جو شخص حق کو چھُپانا چاہتا ہے، اور خُدا تعالیٰ نے اس کو اس کے بُرے کاموں کی سزا میں اندھا کر دیا ہو (تو اس کے لئے کوئی علاج ہی نہیں) چُنانچہ عزّو علا نے فرمایا :۔

"صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۲/۱۷۱

یعنی بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ نہیں سمجھتے ہیں۔"

والسّلام

کلام - ۱۱

کلمۂ اخلاص

یعنی لَا اِلٰہَ اِلا اللّٰہ کے بارے میں

اَب، ہم بیان کرتے ہیں، کہ یہ (کلمہ) بندے کی طرف سے خُدا تعالیٰ کی (ہستی و وحدت کی) گواہی ہے، پس بندہ (اِس بارے میں)، گواہی دینے والے کی حیثیت سے ہے، اس کا قول (یعنی کلمہ پڑھنا) گواہی ہے، اور خُدا تعالیٰ وہ ہے، جس کے لئے یہ گواہی دی جاتی ہے (یعنی بندہ شاہد ہے، اس کا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنا شہادت ہے، اور حق تعالیٰ مشہود[1] ہے) جس کی (نفطی) مثال خالق، تخلیق اور مخلوق کی طرح ہے۔

(جاننا چاہیئے کہ) ہر چیز کی تمامیّت و کمالیّت تین چیزوں پر ہے، یعنی اس کا آغاز، درمیان اور انجام، چُنانچہ اس حقیقت کا آغاز

---

[1] : مشہود - جس کے لئے گواہی دی جاتی ہے۔

گواہی دو طرح کی ہُوا کرتی ہے، کہ وہ یا تو سچّی ہوتی ہے، یا جھُوٹی، سچّی گواہی گواہ کے ایک قول کی صُورت میں ہوتی ہے، مشہود کی اس چیز کے اثبات کرنے کے لئے، جو واقعاً اسی کی ہو، یا کہ کسی حق یا کسی صفت کی نفی کرنے کے لئے جو بحقیقت اسی کی نہ ہو، اور جھُوٹی گواہی (بھی) گواہ کے ایک قول کی صُورت میں ہوتی ہے، مشہود کی ایک ایسی چیز کے اثبات کرنے کے لئے، جو دراصل اس کی نہ ہو، یا کہ کسی حق یا صفت کی نفی کرنے کے لئے، جو اُسی کی ہو، جب گواہی دو حِصّوں میں بٹی ہُوئی ہے، جس کا ایک حِصّہ "لَا اِلٰہَ" کی طرح نفی اور ایک حِصّہ "اِلَّا اللّٰہ" کی طرح اثبات ہے، پس نفی جھُوٹ کی مثال ہے اور اثبات سچ کی مثال ہے، اور دینِ اسلام میں مومن کے لئے (یہ ہرگز) روا نہیں، کہ وہ کسی چیز کے بارے میں گواہی دے، جس کو اِس نے نہ دیکھا ہو۔

جب (واقعہ کو دیکھے بغیر گواہی نہ دینے کا) یہ حُکم دینِ حق میں ثابت ہے، تو ہمارا یہ کہنا غلط ہوگا، کہ رسُول علیہ السّلام نے عادل گواہوں کے ذریعہ اِس حقیقتِ حال کو معلوم کئے بغیر حق تعالیٰ کے متعلق یہ گواہی دی تھی، مگر دینِ حق میں یہ جائز ہے، کہ ایک شخص دُوسرے شخص کی جگہ گواہ ہو جایا کرے، جبکہ یہ گواہی دو عادل گواہوں نے دی ہو، پھر یہ شخص (یعنی نائب گواہ) حق والے کے لئے گواہی دے سکتا ہے اس شخص (یعنی گواہ سابق) کے قول سے، جس نے اپنی جگہ پر اس کو گواہ بنایا ہو۔

پس میں کہتا ہوں، کہ روا نہیں کہ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خُدا تعالیٰ کو دیکھا ہو، کیونکہ یہ امر ناممکن ہے، لیکن اِس کے لئے حق تعالیٰ کی وحدانیت پر دو عادل گواہوں نے گواہی دی، اور ساری مخلوق اُن دونوں گواہوں کی گواہی سُننے سے قاصر و عاجز تھی، اور اُن دو گواہوں میں سے ایک تو آفاق (عالم جسمانی) تھا۔ دُوسرا انفس تھا، کہ وہ دونوں آنحضرت کے لئے ایک واضح قول میں گواہی دے رہے تھے، کہ خُدائے واحد کے سوا کوئی خدُا نہیں، یہاں تک کہ آنحضرت نے حق وصداقت کے ساتھ اُن کی گواہی پر گواہی دی۔

چُنانچہ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ حدیث اس قول کی تصدیق کرتی ہے (کہ کچھ لوگوں نے) آنحضرت سے پوُچھا، کہ کون ہے، جو آپ کے اس دعوے اور قول کی گواہی دیتا ہے؟ تو رسُول علیہ السّلام نے فرمایا" لَیَشْہَدُ کُلُّ حَجَرٍ وَمَدَرٍ = یعنی ہر پتّھر اور ڈھیلا میرے لئے گواہی دیتا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ کے قول سے اس حدیث کے ثبُوت کی سند ملتی ہے، جو اپنی کتاب (قرآن) کے آیۂ محکمہ میں فرماتا ہے:-

"سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۴۱/۵۳ ہم ان کو اِس عالم میں اور خود اُن کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھاتے رہیں گے، یہاں

تک کہ انہیں ظاہر ہو جائے کہ وہ حقّ ہے "۔ پس اِس آیت سے یہ ثابت ہُوا کہ پوشیدہ حقّانیّت آفاق و انفس کی گواہیوں ہی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

پس میرا کہنا ہے، کہ بندے کی طرف سے یہ قولی شہادت خُدا کے لئے ہے، اور وہ دو حِصّوں میں ہے، ایک حِصّے کی نسبت مخلوق کی جانب ہے، کیونکہ گواہی دینے والا مخلوق ہے، اور وہ نفی کا حِصّہ ہے، چُنانچہ گواہی دینے والا " لَا اِلٰہَ " کی نفی کی طرح فانی ہے اور دُوسرے حِصّے کی نسبت باری سُبحانہٗ کی وحدانیت سے ہے، کیونکہ گواہی اِسی کے لئے ہے اور وہ اثبات کا حِصّہ ہے، چُنانچہ گواہی نے اُس (وحدانیت) کو "اِلّا اللّٰہ" کی طرح لازوال پائی ہے، پس شہادت سے مخلوق کا حِصّہ خُدا تعالیٰ سے اِن صفات کی نفی کرنا ہے، جو صفات جسمانیوں اور رُوحانیوں میں باقی ہیں، اور جو حِصّہ باری تعالیٰ کی وحدت کی جانب ہے، وہ کسی آمیزش کے بغیر ایک ایسی حقیقت کے ذریعہ اثباتِ محض کرنا ہے، کہ وہ حقیقت لطیف اور کثیف دونوں مخلوق کی صفات میں موجُود نہیں اور نفی کے طریقہ پر اور نہ اثبات کے طور پر، اور اس قول کے معنی یہ ہیں، کہ جسمانی (یعنی مخلوق کثیف) دکھائی دینے والی اور سُنائی دینے والی ہے، دکھائی نہ دینے والی اور سُنائی نہ دینے والی نہیں، اور رُوحانی (یعنی مخلوقِ لطیف) کے بارے میں کہوں گا، کہ دکھائی نہ دینے والی اور سُنائی نہ دینے والی ہے، دکھائی دینے والی اور سُنائی دینے والی نہیں

پس باری سُبحانہٗ سے ان دونوں اثباتوں اور دونوں نفیوں کی نفی کرنا چاہیئے، وہ تجھے یُوں کہنا ہوگا کہ دکھائی دینے والا اور سمجھ میں آنے والا نہیں، دکھائی نہ دینے والا اور سمجھ میں نہ آنے والا نہیں، کیونکہ یہ سب مخلوق کی صفات ہیں، یہی سبب تھا کہ رسُول مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نفی و اثبات پر اس کلمے کی بُنیاد رکھی اور آنحضرت نے اس کا آغاز نفی سے کیا، یعنی فرمایا کہ "کوئی معبُود نہیں" اور اس کا خاتمہ اثبات پر کیا، یعنی فرمایا کہ "مگر اللہ ہے"، اِس لئے کہ اِنسان جو گواہ ہے، پہلے تو مخلوق ہی کو سمجھ سکتا اور پا سکتا ہے کہ وہ نفی کی طرح ہے اور اس کے بعد مخلوق سے خالق کی دلیل کرتا ہے، کہ وہ اثبات کی طرح ہے، پس انسان کے قلبی اعتقاد اور اس کے زبانی قول میں صداقت ہونی چاہیئے، تاکہ وہ اپنے کہنے کے مطابق زبانی طور پر باری سُبحانہٗ سے مخلوق کی صفات کی نفی کر سکے اور سچّے اعتقاد کے ذریعہ اثباتِ محض کی نگہداشت کر سکے۔

نیز میں (یہ بھی) بتا دیتا ہُوں، کہ رسُول علیہ السّلام نے شہادت میں نفی کا ذکر پہلے کیا، اور اثبات اس کے بعد رکھا، اس لئے کہ انسان جو خُدا تعالیٰ کے لئے یہ گواہی دے رہا ہے، اوّلاً جسمانی وجُود رکھتا ہے، کہ وہ نفی کے مانند ہے اور اخیر میں نفس کے مکمّل ہو جانے پر (اس کا رُوحانی وجُود) لطیف اور پائندہ ہو جاتا ہے کہ وہ اثبات کے مانند ہے۔

اسی طرح بتا دیتا ہوں کہ رسُول علیہ السّلام نے شروع میں صرف یہی قول کہلانا چاہا کہ جب کہا گیا تو وہ (قول صوتی وجُود سے) ختم ہُوا، کیونکہ وہ نفی ہے، اور اخیر میں ہم سے ہمارے دل کا سچّا اعتقاد چاہا، کہ وہ ختم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ اثبات ہے، اور اس قول کے قائل (یعنی کلمہ پڑھنے والے) کو جینے دیا اور اس کا مال نہ چھینا جو یہ دونوں چیزیں قولِ فانی کی طرح جسمِ فانی کے حصّے میں آئی ہیں اور خالص اعتقاد والوں کے لئے، کہ وہ باقی ہے، بہشتِ باقی کا وعدہ کیا، اور اس شہادت کی حقانیّت کی دلیل، جو رسُول علیہ السّلام نے لائی اور ہم پر اس کا کہنا اور اس پر اعتقاد رکھنا لازم کر دیا، یہ ہے کہ مذکورہ شہادت دو قسم کی مخلوق کے مطابق ہے، کہ ایک مخلوق جسمانی اور کثیف ہے، یعنی یہ عالم، جو نفی کی طرح فانی ہے، دُوسری لطیف اور رُوحانی ہے، یعنی وہ عالم جو اثبات کی طرح باقی ہے اور جس خُدا کے لئے یہ شہادت ہے، وہ ان دونوں مخلوقات کا خالق ہے، اور وہی عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ جیسے جفتِ بسیط (غیر مرکّب جوڑے) کا پیدا کرنے والا ہے، کسی چیز سے نہیں (بلکہ امرِ محض سے) جس کی مثال یہی شہادت ہے، جو نفی و اثبات سے ہے، نہ کہ کسی اور قول سے لی گئی ہے، نیز شہادت ایک اور دو کے حساب کے ساتھ برابر ہے (کہ اس میں نفی مقامِ اوّل پر اور اثبات مقامِ دوم پر ہے) کہ یہ ایک اور دو بسیط اور رُوحانی اعداد میں سے ہیں، جس طرح دو ایک کے مجمُوعے

سے تین کا عدد بنا ہے، کہ مرکّب اور طاق ہے، جو عالمِ دین کے جدّ، فتح اور خیال جیسے تین فروع کے برابر ہے، اور عالمِ جسمانی میں طول، عرض اور عمق جیسی تین مُسافتیں ہیں، اِسی طرح شہادت کی ترکیب تین حروف سے ہے، اور وہ حروف غیر مکرّر حالت میں الف، لام اور ھا ہیں، پھر حساب میں تین کے بعد چار آتا ہے، جو دو اور تین کی وساطت سے پیدا ہُوا ہے چنانچہ عالمِ دین میں باری سُبحانہ، کے امر سے، نیز عقل و نفس کی وساطت سے، پھر اِن تین رُوحانی فروع کی وساطت سے جن کا ہم نے ذکر کیا، ناطق، اساس اور فَرعَیْن (دو فرع) یعنی امام و حجّت جیسے چار فروع پیدا ہُوئے ہیں، اِسی طرح عالمِ جسمانی میں دو اور تین کے بعد چار عناصر پیدا ہُوئے ہیں، کہ دو: ہیولیٰ و صورت ہیں اور تین: طول، عرض اور عمق کی مسافتیں ہیں، اِسی طرح شہادت کے دو حِصّوں اور تین حروف سے چار کلمات کی ترکیب ہُوئی ہے، جب گِنتی چار تک پہنچتی ہے، تو اس کا پہلا حِصّہ مکمّل ہو جاتا ہے، اِس لئے کہ پہلا حِصّہ طاق اور جفت پر مشتمل ہے، جس میں ایک: طاقِ محض، دو: جفتِ محض، تین: طاقِ مرکّب اور چار: جفتِ مرکّب ہیں، اور چیزیں یا تو بسیط ہوتی ہیں یا مرکّب، پس لازم آتا ہے کہ جب طاق (۱) کا عدد، جفتِ بسیط (۲) اور طاق و جفت (۳، ۴) کے مرکّبات کے ساتھ آئے، تو اس کی اصل تمام ہو جاتی ہے۔

اعداد کی قسمتِ اوّل کی توضیح

اعدادِ رُوحانی وبسیط

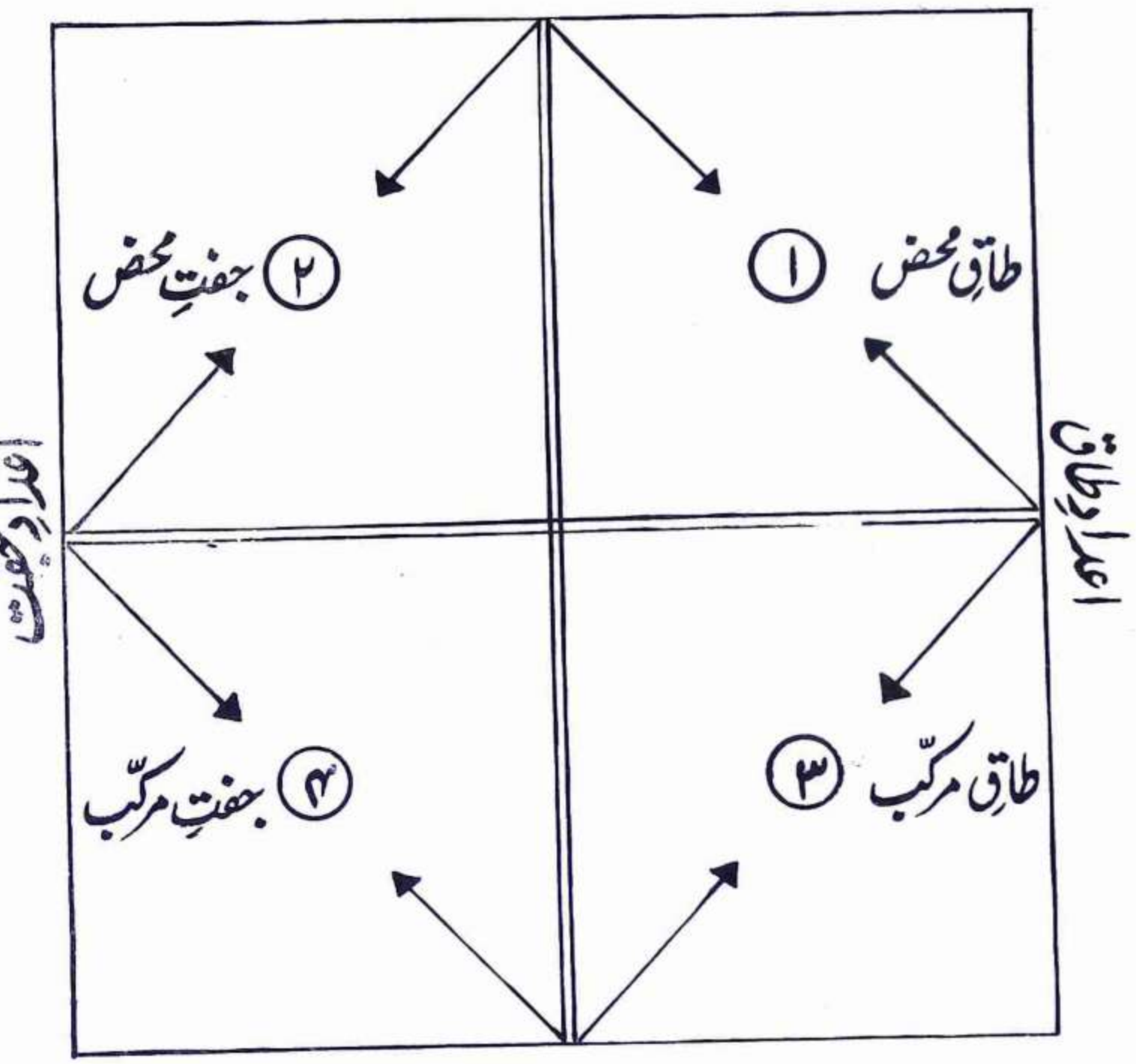

اعدادِ جسمانی و مرکّب

پس بتا دیتا ہُوں کہ گنتی میں چار کے بعد ترکیب آتی ہے، اور سب سے

پہلے اس ترکیب سے سات بنتا ہے، وہ اس طرح کہ طاقِ مرکّب (۳) اور جفتِ مرکّب (۴) کو جمع کرنے سے سات حاصل آتا ہے، اور عالمِ دین میں اس کے برابر سات امام ہیں، جو چار اصُول اور تین رُوحانی فروع کے بعد اُنہی کا مقام ہے، اور عالم جسمانی میں سات چلنے والے ستارے ہیں، اسی طرح شہادت کے ان چاروں کلمات کے سات پارے ہیں، پھر میرا کہنا ہے، کہ گنتی میں سات کے بعد (جو تین اور چار کی ترکیب سے ہے) بارہ ہے، کہ وہ تین کو چار میں ضرب دینے سے حاصل آتا ہے، عالم دین میں اس کے برابر بارہ حجت ہیں، اور عالمِ ترکیب میں بارہ برج ہیں، جس طرح یہ شہادت نفی و اثبات جیسے دو معنوں، تین حرفوں، چار کلموں، سات پاروں اور بارہ (مکرّر) حرفوں سے ہے، تو معلوم ہُوا کہ گنتی کی ترکیب کے ساتھ اور عالم جسمانی و عالمِ دین کی آفرینش کے ساتھ شہادت کی مطابقت ہے۔

کلمۂ اخلاص کی مطابقت و موافقت
حساب، عالمِ دین اور عالمِ جسمانی کے ساتھ

حساب	کلمۂ اخلاص	عالمِ دین	عالمِ جسمانی
ایک کلمہ	لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ	امرِ کُلّ	کائنات
۲ دو معنی (نفی و اثبات)	لَا اِلٰہَ - اِلَّا اللہ	عقلِ کُلّ - نفسِ کُلّ	ہیولیٰ - صورت
تین حروفِ اصل	ا ل ہ	جدّ - فتح - خیال	طول - عرض - عمق
چار الفاظ	لَا، اِلٰہ، اِلَّا، اللہ	ناطق، اساس، امام، حجّت	آگ، ہوا، پانی، مٹی
سات پارے	لا، ا، لہ، ا، لا، ا، للہ	سات امام	سات سیّارے
بارہ حرفِ مکرّر	ل، ا، ا، ل، ہ، ا، ل، ا، ا، ل، ل، ہ،	بارہ حجّت	بارہ برج

پس گنتی اور مذکورہ دونوں عالم کی گواہی سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ گواہی برحق ہے۔ پھر بتاؤں گا، کہ جس طرح یہ شہادت نفی و اثبات جیسے دو معنوں سے ہے اور الف، لام اور ھا جیسے تین حروف سے ہے، اسی طرح امّہات میں سے اس کی برابر ۲ دو بسیط ہیں، یعنی آگ اور ہوا، اور دو مرکّب ہیں، یعنی پانی اور مٹّی اور ان کے پانچویں کی حیثیت سے موالید (جمادات، نباتات اور حیوانات) ہیں۔

اِسی طرح انسان جو کائنات کا پھل ہے، جو جسم اور رُوح ہے، وہ دس قوتّوں پر قائم ہے، جن میں سے پانچ لطیف ہیں، جیسے فِکر، ذہن، خاطر، حفظ اور ذکر، اور پانچ ان میں سے کثیف ہیں، جیسے سمع، بصر، شم، ذوق اور لمس، اِسی طرح شہادت میں پانچ الف ہیں، پانچ لام ہیں اور دو ھا ہیں، پس شہادت کے دو ھا کا اشارہ یہ دو حِصّے (رُوح اور جسم) ہیں جو انسان رکھتا ہے، اور شہادت میں پانچ الف ہیں، یہ پانچ الف ان پانچ حواس باطن کی مثال ہیں، جو انسان میں لطیف ہیں، اور پانچ لام ان حواس ظاہر کے مانند ہیں، جو انسان میں کثیف ہیں، اور شہادت کے دُو ھا (میں سے ایک) تو جسم انسانی کی مثال ہے، کیونکہ پانچ حواس ظاہر اسی کے ہیں، اور (دُوسرا ھا) نفس انسانی کی مثال ہے، کیونکہ پانچ حواس باطن اسی کے ہیں۔

پیغمبر مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عظیم دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت نے ان تین حروف سے توحید کے بارے میں ایک ایسا قول کہا جس میں آنحضرت کا عظیم ترین علم موجُود ہے، اِتنے معنوں کے ساتھ جو اس میں ہیں، کہ اگر دُنیا کے سب لوگوں کو اس امر کے لئے تکلیف دی جائے، تاکہ وہ ان تین حروف پر مشتمل کوئی ایسی بات بنائیں، کہ وہ جس بارے میں بھی ہو (کلمہ شہادت کی طرح) معنی دار ہو تو دُنیا والے اس سے عاجز رہیں گے، پھر دانشمند کے لئے ظاہر ہے، کہ آنحضرت کی یہ علمی قوّت خالقِ کائنات ہی

کی عطا ہے۔

نیز بتاؤں گا، کہ شہادت مجموعی طور پر اجزائے عالم کے مطابق ہے، اِس لئے کہ عالم حدِّ ترکیب (تخلیق) میں قائم ہُوا ہے، تاکہ انسانِ تمام (یعنی انسانِ کامل) کو ظاہر کیا جائے، کیونکہ اس عالمِ شخصیت یعنی نوع انسان کا حاصل وہی ہے، اِسی طرح شہادت حدِّ تالیف میں قائم ہُوئی ہے تاکہ قولِ تمام کو ظاہر اور ثابت کر دیا جائے، کیونکہ ساری شہادت سے مُراد وہی ہے، اور وہ قول "اللہ" ہے، جس طرح ساری کائنات سے مُراد انسان ہے جب ہم نے کلمۂ شہادت کا مُشاہدہ کیا، تو اس کو ترکیب، فصول اور حرُوف (کے حساب میں) عالمِ جسمانی کے برابر دیکھ پایا، اِس لئے کہ عالم ایک ہے اور شہادت بھی ایک ہے، اور عالم کے دو حِصّے ہیں، جن کا ایک حِصّہ کارکن اور پائدار ہے۔ جیسے سماوات اور ستارے، اور دُوسرا حِصّہ کارپذیر اور ایک حالت سے دُوسری حالت میں بدل جانے والا ہے، جیسے امّہات (مائیں، یعنی عناصر اربعہ) اِسی طرح شہادت دو حِصّوں میں ہے، ایک حِصّہ نفی کا ہے (مذکورہ) کارپذیر اور ناپائدار کی طرح، اور دُوسرا حِصّہ اثبات کا ہے، کارکن اور پائدار کی طرح، اور چار امّہات کی قوّت سے جو آگ، ہَوا، پانی اور زمین ہے، دُنیا کی خلقتیں پیدا کی گئی ہیں (جیسے جمادات، نباتات اور حیوانات) اسی طرح کلمۂ شہادت چار کلمات سے بنا ہے، جیسے لا[1] الٰہ[2] اِلّا[3] اللہ[4]،

اور عالم اپنی تخلیقات پر سات سیّاروں کے ذریعہ اثر ڈالتا ہے، جس طرح شہادت سات پاروں سے مکمّل ہُوئی ہے، اور موالید میں تاثیر کرنے والے ان سات سیّاروں کا اپنا چکّر مکمّل ہُو چکا ہے، نیز جس طرح عالمِ جسمانی کی ترکیب تین مسافتوں سے پیدا ہُوئی ہے، جو لمبائی، چوڑائی اور گہرائی ہیں، اِسی طرح شہادت کی تالیف تین حروف سے پیدا ہُوئی ہے، جو الف، لام اور ھا ہیں، جس طرح اِنسان کائنات کی ترکیبی سالمیت کا ایک جزو ہے، اور کائنات سے مقصُود وہی ہے، اِسی طرح کلمۂ "اللہ" شہادت کا ایک جزو ہے اور شہادت سے مقصُود وہی ہے، اور یہ دو مقاصد یعنی نام اللہ اور انسان ایک دُوسرے کے مانند ہیں۔

اِس قول کا بیان یہ ہے، کہ انسان ایک شخصیت ہے، جس طرح نامِ "اللہ" ایک قول ہے اور انسان کی دو حقیقتیں ہیں، ایک جسم، دُوسری رُوح، اور کلمۂ "اللہ" کے دو پارے ہیں، جیسے کہ: ا۔ لله اور انسان کی ترکیب چار طبیعتوں سے ہے، جیسے صفرا، سودا، خُون اور بلغم، اِسی طرح کلمۂ "اللہ" کی ترکیب چار حروف سے ہے، کہ ایک الف، دُو لام، اور ایک ھا ہیں اور انسان کا قیام ان سات اعضائے رئیسہ پر ہے، جو اس کے اندر ہیں، اور لفظ "اللہ" کے چار حروف بمع ان حروف کی درمیانی کُشادگی سات ہیں، اس طرح: الله، اور انسان میں بارہ مجرا (جاری ہونے کی جگہ) ہیں، جن میں

سے نو تو کھلے ہیں، جیسے: دو آنکھیں، دو کان، دو نتھنے، ایک منہ اور دو شرمگاہیں اور ان بارہ مجراؤں میں سے تین بند ہیں، جیسے: دو پستان اور ناف، اسی طرح حروف "اللہ" کا حساب بارہ ہے، اِس وجہ سے کہ الف کا حساب ایک ہے، دو لام کا ساٹھ اور ھا کا پانچ ہے، جس کا مجموعہ چھیاسٹھ ہوتا ہے، اور ساٹھ کے چھ عقد ہوتے ہیں (یعنی چھ دفعہ دس) اور اس چھیاسٹھ کی اکائی یعنی چھ جو الف اور ھا ہیں یکم اور پنجم ہیں جن کا مجموعہ اکائیوں کے حساب سے بارہ ہوتا ہے (۱+۵+۶ =۱۲) اور انسان میں نامی، حسّی اور ناطقی تین نفوس ہوتے ہیں، کلمہ اللہ الف، لام اور ھا کے تین حروف سے ہے، جس طرح عالمِ جسمانی کا آغاز، طول، عرض اور عمق کی تین مسافتوں سے ہے، اور اس کا انجام اس کی تخلیق (یعنی معدنیات، نباتات اور حیوانات) ہے، جو چار عناصر سے پانچویں چیز ہے، اسی طرح شہادت کا آغاز حرف لام سے ہے، جو حساب میں تیس ہے، جس کے تین عقد ہوتے ہیں اور شہادت کا خاتمہ ھا ہے، جو حساب میں پانچ ہے، پس عالمِ ترکیب (یعنی کائنات) نے اپنے آغاز و انجام اور اپنے تمام اجزا کے ذریعہ گواہی دی، کہ یہ شہادت میرے خالق کے لئے ہے اور آفرینش (یعنی عالم النفس) نے بھی اِس کی سچائی پر گواہی دی۔

نیز کہوں گا، کہ (لفظ اللہ کے) الف اور لام عربی زبان میں

علامت معرّفہ ہے اور لام وھا معرفہ نہیں (اور یہ تجھے اس وقت معلوم ہوگا)
جبکہ تو خوب سمجھے، کہ الف اور لام کو عربی زبان میں "حرفِ تعریف" کہتے ہیں،
چنانچہ کوئی اسم جس کے معنی معروف نہ ہوں، مثلاً: رَجُلٌ اور وہ چاہتے
ہیں، کہ اسے معیّن کریں، تو الف اور لام اس کے شروع میں لگا کر اَلرَّجُلُ
کہتے ہیں، جس سے ایک معیّن مرد مُراد لیتے ہیں، اور جب الف و لام اِس نام
میں لگ جائیں تو وہ نام ان کے نزدیک معروف یعنی پہچانا ہُوا ہوتا ہے،
چنانچہ کہوں گا: اَلرَّجُلُ، اَلشَّمْسُ وَ اَلْقَمَرُ، پس عرب والے ہر
اس نام کو معروف یعنی پہچانا ہُوا کہتے ہیں، جس کے شروع میں الف
اور لام آیا ہو، یہ اس لئے ایسا ہے، کہ الف عقل کی دلیل ہے، چنانچہ
ہم نے اس کتاب میں قبلاً اس کا ذکر کر دیا ہے، کیونکہ الف سب سے
پہلا حرف ہے، جس طرح عقل بغیر کسی چیز سے سب سے پہلے پیدا کی گئی
ہے، لام، الف کے مانند ہے، کیونکہ لام دو لکیروں سے مرکّب ہے،
جیسے: "ل" اور الف ایک لکیر ہے، جیسے: "ا" اور لام نفس کُلّ کی دلیل
ہے، جو عقل کی وساطت سے پیدا ہُوا ہے، اور یہ دُوسری چیز ہے جیسا
کہ لام دو لکیروں کی شکل میں ہے، جیسے: "ل" اور تمام چیزوں کی پہچان
عقل اور نفس کے ذریعہ سے ہوتی ہے، اِسی طرح یہ دو حرف (الف و
لام بھی) سارے حروف کی وساطت کے لئے آتے ہیں (جس طرح الباء،
التّاء، الثّاء، الجیم، الحاء، الخاء، الدّال، الذّال وغیرہ) پھر وہ ان

حروف کے بنے ہُوئے الفاظ میں بھی کثرت سے آتے ہیں۔

حروف کی ترتیب میں الف اور لام کے درمیان اکیس[۲۱] حروف واقع ہیں، اور اِس ترتیب میں پہلے الف ہے، پھر لام ہے، مگر کلمۂ شہادت میں پہلے حرف لام ہے اور اِس کے بعد الف ہے، کیونکہ یہ لوگوں کے لئے اس بات کا اشارہ ہے کہ انسان میں پہلے تو نفس اپنا اثر ڈالتا ہے، اور انسان اس وقت نادان ہوتا ہے، اور اس کے بعد عقل اس کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے، تاکہ وہ دانا ہو، اور جو کچھ اِس دُنیا میں پہلے پیدا ہوتا ہے، تو جاننا چاہیئے کہ وہ اُس عالم میں اخیہ میں ہے پس اِس عالم میں نفس کا عقل سے پہلے پیدا ہو جانا، اِس حقیقتِ حال کی دلیل ہے کہ اُس عالم میں پہلے عقل ہے اور نفس اُسی سے پیدا ہُوا ہے۔

جب ہمیں یہ ترتیب معلوم ہُوئی، تو بتائیں گے، کہ شہادت میں پہلے حرف لام لایا گیا ہے، جو نفس کی دلیل ہے، اس کے بعد حرف الف لایا گیا ہے، جو عقل کی دلیل ہے، تاکہ ہم سمجھیں اور جانیں، کہ ہم نفس ہی کے راستے سے عقل کو حاصل کر سکتے ہیں، اِسی طرح ہم اساس ہی کے راستے سے (جن کو اِس عالم میں نفسِ کُلّ کا درجہ ہے) ناطق کو پہچان سکتے ہیں جن کو اس عالم میں عقلِ کُلّ کا درجہ ہے، اور حروف کی ترتیب میں الف اور لام کے درمیان اکیس[۲۱] حروف واقع ہیں، اِس

لئے کہ عقل کی فائدہ بخشی اور نفس کی فائدہ پذیری کے درمیان اس عالم میں شخصیّت ہی کا راستہ ہے (جس میں اکیس۲۱ شخصیتیں آتی ہیں) یعنی عالمِ دین میں اکیس۲۱ حدود ہیں، جیسے ناطق، اساس: سات امام، اور بارہ حجّت، اِسی طرح عالمی ترکیب (تخلیق) میں، جس میں نفس کو عقل کی تائید حاصل ہے، عقل کی اِس تائید اور تخلیق کی تکمیل کے درمیان اکیس۲۱ حدود ہیں، جیسے: صورت، ہیولیٰ، سات سیّارات اور بارہ بروج، اور انسان میں اِن اکیس۲۱ حروف کے برابر جسم، رُوح، سات اعضائے رئیسہ، یعنی دماغ، دل، کلیجہ، پھیپھڑے، پِتّا، تلّی، گُردے اور بارہ مجرا ہیں، لام نفس کی دلیل ہے اور ھا ناطق کی دلیل ہے اور حروف کی ترتیب میں لام و ھا کے درمیان تین حروف واقع ہیں دل | م ن و | ہ) جس طرح نفسِ کُلّ اور ناطق کے درمیان تین روحانی حدُود ہیں، جیسے: جدّ، فتح اور خیال، اور حروف "ھا" کے بعد "یا" ہے، اور وہ اِس حقیقت کی دلیل ہے، کہ ناطق مُحمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد صرف ایک ہی حدّ ہے، اور وہ قائم علیہ السّلام ہیں، اور اس قول کی سچّائی پر رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث گواہی دیتی ہے: "بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃَ کَھَاتَیْن، یعنی میں اور قیامت (قائم) ان دو (انگلیوں) ہی کی طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں۔" یعنی کہ اُن دونوں حضرات کے درمیان کوئی دُوسرا درجہ نہیں۔

پس کہوں گا کہ ان چار عظیم حدُود میں سے عقل و نفس دونوں

روحانی ہیں، اور ناطق و اساس دونوں جسمانی ہیں، اور ایک رُوحانی، ایک جسمانی کے ساتھ ایک ہی مرتبے میں ہیں، چُنانچہ عقل اساس کے ساتھ اور نفس ناطق کے ساتھ ایک ہی مرتبے میں ہیں اور ایک (یعنی عقل) تو تو صاحبِ تائید ہے، جو ابتدا و آغاز وہی ہے، اور دُوسرا (اساس) صاحبِ تاویل ہیں، کہ چیزوں کے معنی کو حالِ اوّل پر لے جایا کرتے ہیں، اور نفس ناطق کے ساتھ ایک ہی مرتبے میں آجاتا ہے، کیونکہ ایک تو ترکیبِ عالم کا مالک ہے، اور دُوسرا تالیفِ شریعت کا مالک ہے، اور اجسام کی ترکیب اور قول کی تالیف دونوں ایک جیسی ہیں، پس کہوں گا کہ شہادت کے چار کلمات چار اصُول کی دلیل ہیں، جس میں ہر کلمہ ایک اصل کے مقابل ہے، لا اساس کی دلیل ہے، کیونکہ وہ اپنی تاویل کے ذریعہ عالمِ لطیف و کثیف دونوں کی چیزوں کو توحید کے مشابہ ہونے سے نفی کرتے ہیں، جس طرح یہ کلمہ (لا) دو حرف پر مشتمل ہے، ایک الف ہے، لطیف و بسیط کی طرح اور دُوسرا لام ہے، کثیف و مرکّب کی طرح اور جو کوئی ان دو تشبیہوں کو توحید سے نفی کرتا ہے، تو اس نے خُدا تعالیٰ کی توحید کے متعلق نفی بجا لائی ہے، اور کلمہ "الٰہ" ناطق پر دلیل ہے، کہ وہ جسمانیوں میں سب سے پہلا شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو خُدا کی پرستش کی طرف بُلایا، اور یہ کلمہ تین حروف پر مبنی ہے، جس طرح رسالت، وصایت اور امامت ناطق کے تین مرتبے ہیں اور اساس کے دو مرتبے ہیں، ایک

وصایت، یعنی اساسیّت کا اور دُوسرا امامت کا۔ جس طرح لفظ اساس دو حرفوں (یعنی الف اور سین) سے ہے، نیز ناطق کا مادّہ (تائید) جدّ، فتح اور خیال جیسے تین روحانی فروع سے ہے، اور اساس کا مادّہ (تائید) فتح اور خیال سے ہے، اور جدّ سے اُن کی بہرہ یابی تو ناطق کی وساطت سے ہے، ذاتی طور پر نہیں، اور کلمۂ الّا ثانی (نفسِ کُلّ) پر دلیل ہے، اِس لئے کہ ثانی ہی تھا، جس نے خُدا کو اوّل (عقلِ کُلّ) سے برتر مانا، اور جبکہ انتہائی عاجزی کے ساتھ اس نے خُدا کی فرمانبرداری کی تو اس نے عقل کے مبدِع (یعنی عقل کو کسی مادّہ کے بغیر پیدا کرنے والے) کو دیکھ پایا، اور کہا، کہ نہ میں خُدا ہوں، نہ میرا سابق، کوئی خُدا نہیں، مگر جس نے اپنی وحدت سے میرے سابق یعنی (فرشتہ) عقل کو پیدا کیا، اور یہ کلمہ (الّا) بھی تین حروف پر مشتمل ہے، جس طرح لفظ ثانی یعنی نفس تین حروف (ن ف س) سے ہے۔ ثانی ترکیب کا مالک ہے اور ناطق تالیف کے مالک ہیں اور تالیف و ترتیب کے درمیان مناسبت ہے، اور لفظ ثانی کے تین حروف کے معنی یہ ہیں کہ وہ تین مراتب کا مالک ہے، چنانچہ وہ عقل سے بلاواسطہ فائدہ حاصل کرتا ہے، عالمی ترکیب کا مالک ہے، اور عقلِ کُلّ سے ناطق کی طرف تائید بھیجنے والا ہے اور کلمہ "اللہ" عقلِ کُلّ پر دلیل ہے، کیونکہ وہ ساری لطیف اور کثیف مخلوقات کی انتہا ہے، جس طرح یہ کلمہ، "اللہ" شہادت کی انتہا ہے، اور اثبات کا کلمہ ہے جیسے اِلّا نفی کا کلمہ ہے، یعنی توحید کا اثبات عقلِ کُلّ سے ظہور میں آیا ہے، اگر ثانی عاجزی کے

ساتھ عقل کے پیدا کرنے والے (مُبدِع) کی فرمانبرداری نہ کرتا تو کوئی (رُوحانی وجسمانی) مخلوق خُدا تعالیٰ کو عقل سے برتر قرار نہ دے سکتی اور کلمہ اللہ چار حروف کا ہے، جس کی وجہ یہ ہے، کہ اساس کی تاویل، ناطق کی تالیف، ثانی کی ترکیب اور اوّل (عقلِ کُلّ) کی تائید سب کی سب سابقہ عقلِ کُلّ کی ہوّیت (حقیقت) میں یکجا ہیں، اور یہ بہشت کی وہ چار نہریں ہیں جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں سے کیا ہے، قولہٗ تعالیٰ :-

"مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۝ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ج وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ۴۷/۱۵

اِس جنّت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے (یہ ہے)، کہ اِس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں، جس میں ذرا تغیّر نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں دُودھ کی ہیں، جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہُوا نہ ہوگا۔ اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی، اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوگا۔"

بہشت کی تاویل کلمۂ باری ہے، اور مذکورہ چار نہریں یہی چار حدُود ہیں، کیونکہ اِنہی (چار) نہروں کے ذریعہ عالمِ رُوحانی کی نہروں میں سے ہر ایک میں کلمۂ باری کے مایہ سے ایک ایک حِصّہ رواں ہے، اِس لئے کہ ساری رُوحانی وجسمانی چیزوں کی زندگی اِسی سے ہے، اور اِس پانی سے مُراد جو کلمۂ باری سے عقل کی نہر میں بہہ گیا، عقل کے ماتحت

حدُود ہیں، جس طرح پانی مٹّی کے ساتھ مِل جانے سے نباتات اور حیوانات پیدا ہُوئے ہیں، اِسی طرح عقل کلمۂ باری کے ساتھ متحد ہونے سے ثانی، جد، فتح، خیال اور دُوسرے علوی و سفلی حدُود پیدا ہُوئے ہیں، پس یہ پانی (جو عقل کی نہر سے بہہ رہا ہے) گندہ ہونے والا نہیں، یعنی اپنے حال سے بدل جانے والا نہیں، نہ اِس کی ذات میں تغیّر آتا ہے، اِس قول کی درستی پر دلیل یہ ہے، کہ جب اِنسان کِسی چیز کو اپنی عقلی قوّت سے معلوم کر لیتا ہے، تو ہمیشہ کے لئے اِس چیز کو ویسی ہی حالت میں دیکھ پاتا ہے، جیسے کہ اِس نے پہلے دیکھ پایا تھا، کیونکہ وہ چیز (عقلی مُشاہدہ میں) اپنی حالت سے بدلتی نہیں، چُنانچہ پانی فعل میں سرد ہے، اَب پانی جس قدر بھی عارضی گرمی قبول کرے عقل جانتی ہے، کہ اِس کا جوہر سرد اور تر ہی ہے، اور اس کو وہ ویسا ہی دیکھ پاتی ہے، جیساکہ وہ (اپنی اصلی طبیعت میں) ہے اور کلمۂ باری سُبحانہ، سے نفسِ کُلّ میں دُودھ بہہ گیا ہے، جو ہر بچّہ کی غذا ہے، اور حیوان کو دُودھ کے ذریعہ اپنی قِسم کا ایک بچّہ حاصل آتا ہے، اور (نسلی طور پر) اِس کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اِسی طرح نفسِ کُلّ سے اِس عالم کی ترکیب (تخلیق) پیدا ہُوئی، تاکہ اس تخلیق کے نتیجے میں ایک ایسا فرزند ظہور میں آئے، جو نفسِ کُلّ کے تمام فوائد کو قبول کر سکے اور وہ قائمِ قیامت علیہ السّلام کی حیثیت سے ایک مرد ہیں، جو نفسِ کل کے سارے فوائد کو صرف وہی قبول کر سکیں گے، اور کلمۂ باری سُبحانہ، سے ناطق میں شراب

بہہ گئی ہے جس سے جسم کی قوّتیں میسّر ہوتی ہیں، اور جس سے لوگ حیران یا بکواسی ہو جاتے ہیں۔ پس اس طرح ناطق سے شریعت کی تالیف ہو چلی ہے، جس کے ذریعہ عادات و خواہشات محفوظ رہ سکتی ہیں، جس طرح شراب سے جسم طاقتور ہو جاتا ہے، اور ان تمثیلات و اشارات کی وجہ سے جو کتاب (قرآن) اور شریعت میں ہیں، لوگوں میں اختلاف پڑا ہے جس کے سبب سے لوگ حیران اور بیہوش ہوتے ہیں، جس طرح شراب کے پینے سے بیہوش ہو جاتے ہیں، اور کلمۂ باری سبحانہ، سے اساس میں شہد بہہ گیا ہے، جو میٹھا اور دلپسند ہے، اور اس میں اُن بیماریوں سے صحت یابی (کی تاثیر) ہے، جو تری کی زیادتی سے پیدا ہو جاتی ہیں، اور اس میں طبیعت کی گرمی بڑھانے کی قوت موجود ہے، اسی طرح اساس سے کتاب اور شریعت کی تاویل آئی جس کے ذریعہ حیرت اور اختلاف ختم ہو گیا، اور حق کی سچائی ظاہر ہوئی، اور جن پرہیزگاروں سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کا وعدہ کیا ہے ان سے سات امام اور بارہ حُجّت مُراد ہیں، اور یہی چار چیزیں ہیں، جن کے ناموں کے حروف گیارہ ہیں، جیسے: ما، لَبَن، خمر، عَسَل (م ال ب ن خ م ر ع س ل = ۱۱، پس یہ گیارہ حروف) چار حدود اور سات اماموں کی دلیل ہیں، اور اس میں یہ اشارہ ہے، کہ عالمِ علوی کی ان چار نہروں کے ذریعہ سات اشخاص کا ظہور ہوا ہے، اپنے اِس نُور کو پھیلانے کے لئے جو اُن کے بارھویں (یعنی کلمۂ باری) کی

جانب سے ہے، اور خدا تعالیٰ نے انہی چار حدود کی قسم کھائی ہے، چنانچہ فرماتا ہے، قولہ، تعالیٰ :-

" وَالتِّینِ وَالزَّیتُونِ وَطُورِ سِینِینَ وَھٰذَا لْبَلَدِ الْاَمِینَ $\frac{95}{1-3}$

قسم ہے انجیر کی، اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی۔

پس بتاؤں گا، کہ انجیر سے اللہ تعالیٰ کی مراد سابق (عقل کُل) ہے، جو کسی واسطہ کے بغیر کلمۂ باری سے ملا ہوا ہے، اور اس کو انجیر کا نام اس لئے دیا کہ انجیر کا بیرونی و اندرونی حصّہ کھانے کے قابل ہے، طبیعت اس کی کوئی چیز واپس نہیں کرتی، اسے قبول کرتی اور پورے انجیر کو اپنی غذا بنا لیتی ہے، جس طرح کوئی پاکیزہ نفس عقل کے سارے فوائد کو قبول کرتا ہے، اور ان میں سے کسی چیز کی تردید نہیں کرتا اور عقل کے فوائد ہی نفس کے لئے غذا ہیں، [روحانی بالیدگی اور تکمیل کے بعد] صورت لطیف پیدا کرنے کے لئے۔

زیتون نفسِ کُلّ کی مثال ہے، کیونکہ عقلِ کُلّ کے فوائد بلا واسطہ وہی قبول کر سکتا ہے، اور اس کی مثال زیتون سے اس لئے دی گئی ہے، کہ زیتون کا کچھ حصّہ تو کھانے کے قابل ہے، جیسے تیل اور گودا، اور کچھ حصّہ پھینک دینے کے قابل ہے، جیسے گٹھلی کا چھلکا اور پھوک، جس کے معنی یہ ہوتے، کہ ہر وہ نفس جو پاکیزہ ہو، عقل کی اطاعت کرتا ہے، جو کچھ اس کو عقل فرما دیتی ہے، اور وہی نفس عقل کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہو جاتا

ہے، زیتون کے تیل اور اس کے پھل کے گودے کی طرح۔ جو کھانے کے قابل ہے، اور ہر وہ نفس جو ناپاک اور کمینہ ہے عقل کی اطاعت نہیں کرتا، جو کچھ وہ اسے فرما دیتی ہے، نہ وہ رُکتا ہے، جس چیز سے وہ اسے روک لینا چاہتی ہے، وہ عقل کے فوائد قبول نہیں کرتا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، تو وہ شخص زیتون کی گٹھلی کے چھلکوں اور پھوک کی طرح دھتکارا ہُوا، پھینکا ہُوا اور ذلیل کیا ہُوا ہے، یہی وجہ تھی کہ جس سے بعض نفوس کو ثواب اور بعض کو عذاب لازمی ہُوا۔

طورِ سینین ناطق کی مثال ہے، کیونکہ اُنہوں نے نفسِ کُلّ کے فوائد کو پوشیدہ طور پر قبول کیا ہے، اور اُنہوں نے یہ فوائد دُنیا والوں کو شریعت کے ذریعہ پہنچایا، اور اساس مقرّر کر دیا، تاکہ وہ شریعت کی تاویل لوگوں کو پہنچاتے رہیں اِس لئے کہ طورِ سینین ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ کا ظاہر بدنما، کھُردرا اور سیاہ ہے، کہ ہمیشہ کے لئے سامنے کھڑے نظر آنے کی وجہ سے اس کے دیکھنے والے کو اُکتاہٹ محسوس ہوتی ہے، مگر اس پہاڑ کے اندر ایسے گرانمایہ اور بہترین جواہر ہیں کہ دیکھنے والے کو ان کے دیکھنے سے مسرّت ہوتی ہے، جیسے یاقوت، زمرّد، بیجاوہ، سونا، چاندی، پیتل، تانبا اور دُوسرے جواہر، پس اسی طرح ناطق کی شریعت ظاہر گا شک اور اختلاف پر ہے اور دانشمند کو اس کے قبول کرنے میں مُشکل ہوتی ہے۔ لیکن جب تاویل کے ذریعہ وہ اِس کے حقائق تک رسا ہو جائے اور اِس کے معنوں کو سمجھے، تو دانشمند کا نفس اُسے

قبول کرتا ہے، اور مطمئن ہو جاتا ہے، پھر وہ اُس سے اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتا، جس طرح پہلے بغیر معنی کے ظاہر شریعت سے وہ اُکتا گیا تھا، چُنانچہ پہاڑ اپنے باطن ہی میں پوشیدہ طور پر ستاروں کے فوائد قبول کرتا ہے، اور ناطق بھی اپنے باطن ہی میں پوشیدہ طور پر حدُودِ علوی کے فوائد کو قبول کرتے ہیں۔

هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ اساس کی مثال ہے، کیونکہ انہی کے ذریعہ دانشمند کو ظاہر کے شکوک و شبہات سے امن ملا۔ اور جو کوئی ان کی تاویل تک پہنچ نہ سکا، تو وہ اختلافات اور شبہات کے راستے پر چلنے لگا، اور جو شخص ان کی تاویل تک رسا ہوا تو اس نے ظاہری اختلافات سے چھٹکارا پایا، اور ان چار چیزوں میں سے، جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، دو چیزیں تو نباتات ہیں، اور دو چیزیں مقامات ہیں، اور کسی مقام کے بغیر نباتات کا اُگنا ناممکن ہے، پھر اس کے معنی یہ ہوئے کہ عقل و نفس رُوحانی ہیں، جیسے کہ نباتات کی رُوح ہوتی ہے، اور ناطق و اساس جسمانی ہیں، لیکن یہ دونوں نباتات (انجیر و زیتون) پہاڑ اور شہر میں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کے فوائد اور انوار ناطق و اساس ہی کے ذریعہ ظہور پذیر ہو جاتے ہیں، مذکورہ رُوحانی و جسمانی دونوں قسم کے میوؤں کی لذّت صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں، جو ان میوؤں کو کھاتے ہوں "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ" دونوں ایک ایک کلمہ ہیں، "وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ" دونوں دو دو کلمے ہیں، تاکہ دانشمند یہ سمجھ

سکے، کہ عقل و نفس جو رُوحانی ہیں، ایک ہی حال پر قائم ہیں، اور ناطق و اساس جو جسم اور رُوح ہیں، دو حالات کے مالک ہیں۔

اِسی طرح ذیل کی آیت سے اللہ تعالیٰ کا مقصود چار اصُول ہی ہیں جس میں ارشاد فرماتا ہے، اور اصحابُ الیمین (یعنی داہنے والوں) کے لئے بہشت کا وعدہ فرماتا ہے، اور وہ علمِ حقائق والے ہیں، قولہ تعالیٰ :-

" فِی سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ وَّمَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ $\frac{56}{27-31}$

وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیر کے درخت ہوں گے، اور تہ بتہ کیلے ہوں گے، اور لمبا لمبا سایہ ہوگا، اور چلتا ہُوا پانی ہوگا۔"

[مذکورہ آیت میں] اللہ تعالیٰ سب سے پہلے عقلِ کُلّ مُراد لیتا ہے، پھر نفسِ کُلّ مُراد لیتا ہے، کیونکہ اِسی سے عالم تہ بہ تہ اور منظّم ہُوا ہے، تیسرے درجے پر ناطق کا اشارہ فرماتا ہے، کیونکہ شریعت کا بوجھ قیامت تک تو اُنہوں نے اُٹھایا ہے، اور چوتھے درجے پر اللہ تعالیٰ اساس کا ذکر چاہتا ہے کیونکہ لواحق یعنی امیرانِ دین، جیسے امام، حُجّت اور داعیؑ حق کے ذریعہ اُنہی کی تاویل انسانی نفوس پر برس رہی ہے، جب ان چار اصُول کے ذکر سے حق تعالیٰ فارغ ہُوا، (تو سلسلۂ امامت کی طرف اشارہ فرماتا ہے) جیسا کہ ارشاد ہے، قولہٗ تعالیٰ :-

" وَفَاکِهَةٍ کَثِیۡرَةٍ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ $\frac{56}{31-33}$

اور کثرت سے میوے ہوں گے، جو نہ ختم ہوں گے، اور نہ ان کی روک

ٹوک ہوگی"۔ اِس اشارہ سے اللہ تعالیٰ کی مُراد ائمہ علیہم السّلام ہیں، کیونکہ اُن کی (جانب سے ملنے والی) بھلائی کائنات سے منقطع ہونے والی نہیں، اور ان کی بہت سی تعداد ہے، پس جہاں اللہ تعالیٰ نے چار اصُول کی مثال چار نہروں سے دی ہے وہاں اِس نے عقل کی مثال پانی سے دی، اور اس مقام پر جبکہ اس نے ان چاروں اصُول کی مثال مذکورہ چار چیزوں سے دی، تو اساس کی مثال پانی سے دے دی تاکہ دانشمند کو معلوم ہو، کہ دائرۂ عقل کے دونوں سرے اساس ہی پر ملے ہُوتے ہیں، اور پانی پانی کے ساتھ ملا ہُوا ہے، (یعنی وہ بادل، بارش اور دریا کی صُورت میں چکّر کاٹنے کے بعد سمندر میں داخل ہوتا رہا ہے)

دائرۂ عقل

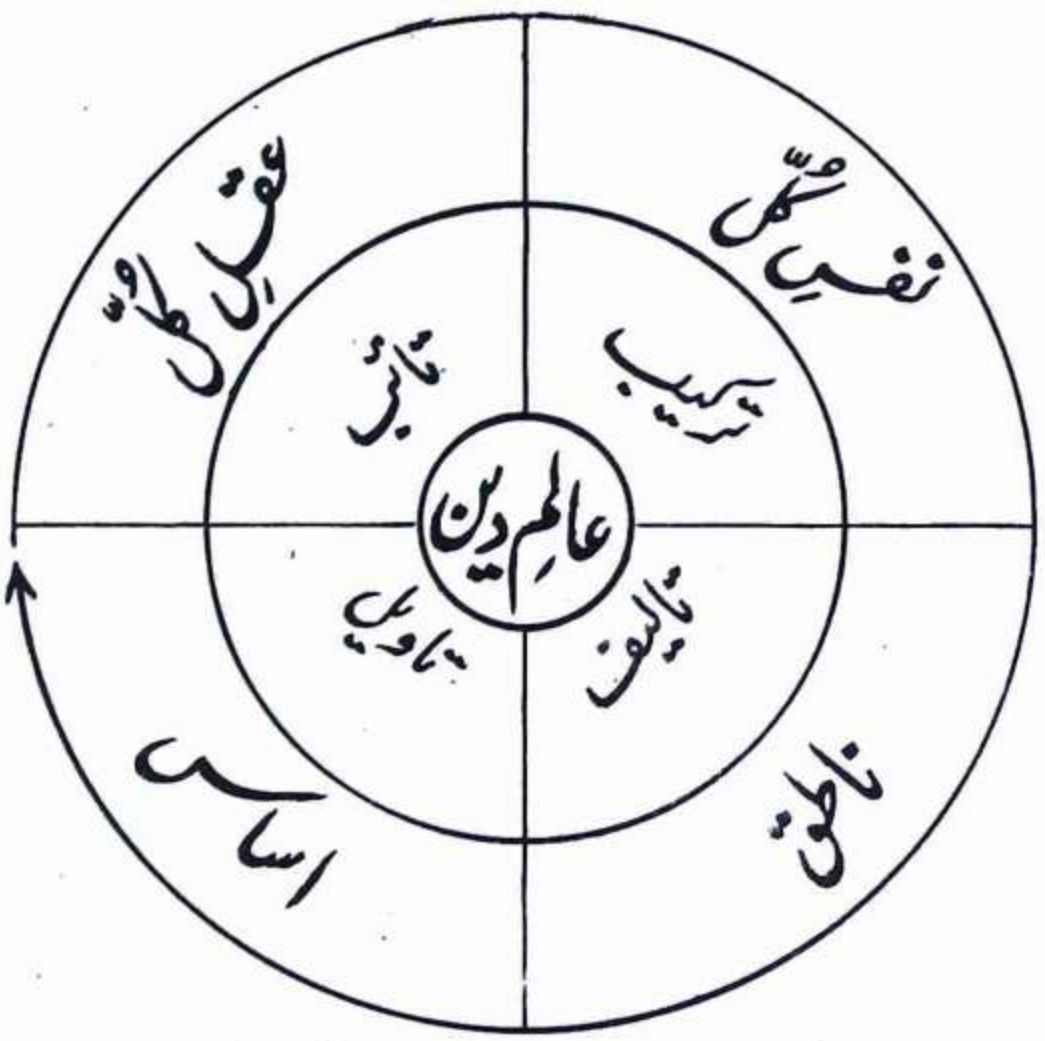

دائرۂ عقل کے دونوں سرے اساس ہی پر آپس میں ملے ہُوتے ہیں، یعنی اساس ہی عقل کی ابتداء و انتہا ہیں۔

پس بیان کروں گا، کہ ان چاروں اصُول کے درمیان بحقیقت یکساں حال پایا جاتا ہے، اور وہ تمام اصُول کلمۂ باری سُبحانہٗ، وتعالیٰ سے جو کچھُ فائدہ قبول کرتے ہیں، اسکی حقیقت ایک ہی ہے، چُنانچہ خُدا تعالیٰ کا ارشاد ہے، قولہ تعالیٰ:۔

" سَوَآءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ

وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۱۳/۱۰

تُم میں سے جو شخص پوشیدہ بات کہے، اور جو آشکارا بات کہے، اور جو شخص رات میں کہیں چھُپ جائے، اور جو دن میں چلے پھرے، یہ سب برابر ہیں "۔ پس جس کے بارے میں" پوشیدہ بات" کا ذکر فرماتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی مُراد عقل ہے، کیونکہ اِسی سے نفس، ناطق اور اساس جیسے ماتحت حدُود کو پوشیدہ تائید ملتی ہے، اور جس کے بارے میں" آشکارا بات"، کہتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی مُراد نفس ہے، کیونکہ عالمی ترکیب اِسی سے ظاہر ہوئی ہے، اور جس کی مثال" رات میں چھُپ جانے" سے دی ہے، اِس سے اللہ تعالےٰ کی مُراد اساس ہیں، کیونکہ ان کا دَور پوشیدہ طور پر چل رہا ہے اور ان کا علم لوگوں کو سِرّ (یعنی باطنی طریقے) سے حاصل ہو جاتا ہے، اور" دن میں ظاہر ہونے" کی مثال سے اللہ تعالیٰ کی مُراد ناطق ہیں، کیونکہ ان کی شریعت اور کتاب کی ظاہری دعوت آشکار ہے، پس ہم بتائیں گے کہ پوشیدہ طور پر اساس کا علم تاویل دینا عقل کے مانند ہی ہوُا، کیونکہ اس کی تائید بھی ماتحت کو پوشیدہ طور پر ہی ملتی ہے، اور ناطق کتاب و شریعت کے ظاہر کرنے میں نفس کے مانند

ہیں کیونکہ نفس نے عالمی ترکیب ظاہر کی ہے۔

نیز ہم یہ بتا دیتے ہیں، کہ شہادت کے چار کلمات بہشت کی ان چار نہروں کی دلیل ہیں، جن کا ذکر قرآن میں ہے، اِس مقام پر فرماتا ہے :۔

"وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ" ۵۵/۴۶

اور جو کوئی اپنے ربّ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہے، اِس کے لئے دو بہشت ہیں"۔ اور ان دو بہشتوں سے اللہ تعالیٰ کی مُراد عقل و نفس ہی ہیں :۔

"ذَوَاتَا اَفْنَانٍ" ۵۵/۴۸

فرماتا ہے کہ "یہ دونوں بہشت شاخوں والی ہیں"۔ اور ان شاخوں سے اللہ تعالیٰ کی مُراد ناطق، اساس اور ائمہ برحق علیہم السّلام ہیں :۔

"فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ" ۵۵/۵۰

فرماتا ہے، کہ "ان دونوں بہشتوں میں دو چشمے بہتے جا رہے ہیں"۔ پانی اور دُودھ کے چشمے جو باری سُبحانہٗ و تعالیٰ کے کلمے سے عقل اور نفس کے لئے جاری ہُوئے، چُنانچہ ہم نے قبلاً اِس کی تشریح کر دی ہے۔

جب ان دو رُوحانی حدُود سے فارغ ہُوا تو فرمایا :۔

"وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ" ۵۵/۶۲

فرمایا: کہ "اُن دو بہشتوں کے تحت اُن سے کمتر دو بہشت اور ہیں"۔ اور ان دونوں بہشتوں سے اللہ پاک کی مُراد ناطق اور اساس ہیں:

"مُدْهَآمَّتَانِ ۵۵/۶۴

وہ دونوں گہرے سبز ہیں۔" سبز رنگ نیلے اور پیلے جیسے دو خالص رنگوں سے بنتا ہے، اور (ان دونوں بہشتوں کا) یہ سبز رنگ دو رنگوں سے مرکّب ہے، جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ ناطق اور اساس جسمانی اور مرکّب ہیں، اور جو کوئی ان کے ساتھ واصل ہو جائے، تو اسے (حقیقی) رُوح مل جاتی ہے۔ چنانچہ نباتات میں سے جو کچھ ہرا ہے، تو اس میں رُوح موجُود ہوتی ہے۔

"فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ۵۵/۶۶"

فرماتا ہے کہ "اُن دونوں بہشتوں میں دو چشمے ہیں جو شش مارتے ہُوئے۔" وہ شراب و شہد کے چشمے ہیں، جو کلمۂ باری سبحانہ، سے ناطق اور اساس کے لئے جاری ہُوئے ہیں۔

اِسی طرح خُدائے تعالیٰ اس آیت میں حدود کا ذکر فرماتا ہے، قولہٗ تعالیٰ :-

"وَمِنْ اٰيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ط
لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا
لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ ۴۱/۳۷

فرماتا ہے کہ اُس کی نشانیوں میں سے ہیں، رات اور دن، سُورج اور چاند، پس تُم نہ سُورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، اور (صرف)

اُس خُدا ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا"، پس رات سے حق تعالیٰ ناطق مُراد لیتا ہے، کیونکہ اُنہوں نے (رموز و امثال میں علمی) چیزیں چھپا رکھی ہیں، اِس مثال کے برعکس کہ دن چیزوں کو آشکار کر دیتا ہے، اور دن سے حق تعالیٰ اساس مُراد لیتا ہے، کیونکہ وہی رموز (و امثال) کا بیان کرنے والے ہیں، جیسا کہ دن ان چیزوں کا آشکار کرنے والا ہوتا ہے، جن کو رات چُھپا رکھتی ہے۔

سورج سے عقل اور چاند سے نفس مُراد ہیں، کیونکہ عقل نفس کو اسی طرح فائدہ دے رہا ہے، جس طرح سُورج چاند کو نُور دیتا رہتا ہے، اور یہ جو فرماتا ہے، کہ تم سُورج اور چاند کو سجدہ نہ کیا کرو، بلکہ اس خُدا کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اِس سے یہ چاہتا ہے، کہ خُدا کو عقل و نفس کی صفات سے موصُوف نہ کیا کرو، اور اس قسم کا اعتقاد مت رکھو، کیونکہ خُدا ایسا نہیں جیسے تائید کا مالک ہے یا جیسے ترکیب کا مالک ہے، کیونکہ یہ دونوں تو مخلوق ہیں، مگر افسوس کہ آج بہت سے لوگ عقل پرست اور نفس پرست ہیں، ایسے لوگ گمان کرتے ہیں، کہ وہ موحّد (یعنی وحدت شناس) ہیں، جیسے معتبر متکلّمین، اور کرّامیّن، اللہ تعالیٰ ہمیں ماسوا اللہ کی پرستش سے بچائے رکھے۔

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر انہی حدُود کا ذکر فرماتا ہے، قولہٗ تعالیٰ:۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ ۵۵/۱۷

فرماتا ہے، کہ "دو مشرقوں کا پروردگار" جن سے اللہ تعالیٰ کی مُراد عقل و نفس ہیں، کیونکہ نُورِ وحدت اِنہی سے طلُوع ہُوا، اور فرماتا ہے، کہ

"دو مغربوں کا پروردگار" جن سے ناطق اور اساس مُراد ہیں، کیونکہ جو نور ان دونوں مشرقوں سے طلوع ہُوا، وہ ان دونوں مغربوں میں غروب ہُوا۔

نیز ہم یہ بیان کریں گے، کہ اس بارہ حرفی کلمۂ شہادت کے سات پارے ایسے ہیں، کہ ان میں سے تین پارے ایک ایک حروف کے ہیں، جیسے:۔ ۱۱۱، تین پارے دو دو حرفوں کے ہیں، جیسے: لا، لہ، لا اور ایک پارہ تین حروف کا ہے جیسے: للہ، چنانچہ اِن یک حرفی پاروں کی مثال عالمِ جسمانی میں طول، عرض اور عمق کی تین مُسافتیں ہیں، کیونکہ یہ مُسافتیں ایک ایک خط (لکیر) ہیں، دو حرفی پاروں کی مثال اعضائے رئیسہ ہیں، جو کمیت، کیفیّت اور اضافت کے حامل ہیں، اور سہ حرفی ایک پارے کی مثال جسم ہے، جو تین مُسافتوں کا حامل ہے۔

[اِسی سلسلے میں] بتائیں گے، کہ اللہ تعالیٰ ذیل کی آیت میں مالکانِ تائید کے متعلق ذکر فرماتا ہے، قولہٗ تعالیٰ:۔

"فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ۸۰/۲۴

سو انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے (یعنی رُوحانی غذا) کی طرف نظر کرے" تاکہ اسے معلوم ہو، کہ عالمِ بالا کس طرح اس کے ساتھ ملا ہُوا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:۔

"اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۸۰/۲۵

کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا" یعنی نفسِ کُلّ سے ناطق کی طرف

تائید نازل ہوئی، چنانچہ فرماتا ہے :-

"ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا" ۸۰/۲۶

پھر ہم نے عجیب طور پر زمین کو پھاڑا" اور اس زمین سے اللہ کی مُراد ناطق کا دل ہے، کہ (وہی تو آنحضرت کی رُوحانی) جائے سکونت اور مقام تائید ہے، اور تائید قبول کرنے کے لئے شق ہُوا ہے، چنانچہ فرماتا ہے :-

"فَاَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا" ۸۰/۲۷

پھر ہم نے اس میں دانہ اُگایا" اور اس دانہ سے خُدا تعالیٰ کی مُراد اساس ہیں، جو ناطق کے دل کی زمین میں اور ناطق کی تعلیم سے اُگ آیا، جس سے سات خوشے نکلے اور وہ اس دَور کے امامانِ برحق ہیں، "وَعِنَبًا" فرمایا، کہ "اور انگور" جس سے خُدا تعالیٰ نے پہلا امام (حضرت حسن علیہ السّلام) مراد لیا، اور ان کی مثال انگور سے اِس لئے دی، کہ جب انگور کو نچوڑ لیا جاتا ہے، تو تمام رس اس سے نکل جاتا ہے، اور دوبارہ وہ انگور نہیں بنتا، اِسی طرح جب امامت ان سے منتقل ہُوئی تو ان کی اولاد کو لوٹ نہیں آئی۔ "وَقَضْبًا" فرمایا۔ "اور سپست"۔ (وہ تین پتّی گھاس جس کا پھُول آسمانی رنگ کا ہوتا ہے) اور اِس سے خُدا تعالیٰ کا مقصُود دُوسرا امام ہیں، جن کی اولاد میں امامت برقرار رہے، "سپست" کی طرح کہ جب اسے کاٹ لیا جائے تو دوبارہ

اُگتا رہتا ہے ۔" وَ زَيْتُوْنًا" فرمایا :۔" اور زیتون" جس سے تیسرا امام مُراد ہیں، کہ وہ زیتون مبارک تھے، کیونکہ امامت ابھی اُنہیں نہیں ملی تھی، کہ تائید ملنے لگی، جن کے بارے میں خُدائے تعالیٰ نے فرمایا :۔

"شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۲۴/۳۵

فرمایا کہ زیتون کے مبارک درخت سے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، اس کا تیل روشن ہوتا ہے، اگرچہ اس کو آگ نہ چھوتے۔" وَنَخْلًا" ۸۰/۲۹ فرمایا :" اور کھجور کا درخت"، جس سے چوتھا امام مُراد ہیں : "وَحَدَآئِقَ غُلْبًا" ۸۰/۳۰ فرمایا :" اور گنجان باغ" جس سے پانچواں امام مُراد ہیں ۔" وَفَاكِهَةً" فرمایا :" اور میوہ" جس سے چھٹا امام مُراد ہیں کہ ان کے والد کی موجُودگی ہی میں امامت ان سے ہو کر ان کے فرزند کو منتقل ہُوئی (جس طرح درخت کی موجُودگی ہی میں پھل کی گُٹھلی سے ایک اور درخت پیدا ہو جاتا ہے)" وَّاَبًّا" ۸۰/۳۱ اور چارہ (یعنی گھاس") جس سے خُدائے تعالیٰ ساتواں امام مُراد لیتا ہے، کہ ان کو مرتبۂ قیامت حاصل ہے ۔

نیز ہمیں یہ بیان کرنا ہے، کہ نفی کے دونوں کلمات تین پاردں پر مشتمل ہیں، جیسے : لا اِلٰه ، اور تیسرا مرتبہ ناطق کا ہے، کیونکہ وہ

چار اصول میں تیسرا ہیں، اور اثبات کے دونوں کلمات چار پاروں پر مبنی ہیں، جیسے: اِلَّا اللّٰہ، اور چوتھا مرتبہ اساس کا ہے، کیونکہ وہ چار اصول میں چوتھا ہیں، اور یہ دانشمند کے لئے اِس بات کا اشارہ ہے، کہ ناطق کی تنزیل وشریعت میں جو کچھ تشبیہہ پائی جاتی ہے، وحدت سے اِس کی نفی کرنا واجب ہے، اس کے بعد اساس کی تاویل کے ذریعہ اثبات کر دینا چاہیئے، جنہوں نے مخلوقات کی ساری صفات سے ایک ہوّیت (یعنی حقیقت ہُو) جُدا کردی ہے۔ اور شہادت کی تالیف (ساخت) لام، الف اور ھا کے تین حروف سے ہے اور اس کے پارے بھی تین درجوں میں ہیں جن میں سے تین پارے ایک ایک حرف کے ہیں، جیسے تین الف، تین پارے دو حرفوں کے ہیں، جیسے: لا، لہ، لا اور ایک پارہ تین حروف کا ہے، جیسے: للہ۔ پس عالم کلمۂ شہادت کی سچّائی پر اپنی ترکیب (کی اس عددی موافقت) سے گواہی دیتا ہے، جو طول وعرض وعمق کی مُسافتوں سے متعلق ہے، اور فرداً فرداً تینوں (مُسافتیں بھی گواہی دیتی ہیں) اور وہ عالمی مخلوقات بھی (یہی گواہی دیتی ہیں جو) تین مراتب پر ہیں، یعنی جن کی رُوح ہے، جیسے نباتات، حیوانات اور انسان، پس ان میں سے نباتات شہادت کے ان تین پاروں کی مثال ہیں، جو یک حرفی ہیں، اِس لئے کہ نباتات میں صرف ایک ہی قوّت ہے، اور وہ قوّتِ نامیّہ (نشوونما) ہے، لیکن اِس کے باوجود کہ اس میں صرف یہی ایک

قوّت ہے، یہ تین قسموں میں ہے، ایک تو بغیر بیج والی گھاس ہے، دُوسری بیج والی گھاس ہے، اور تیسرا پھلدار درخت ہے، یہ اُن تین پاروں کی مثال ہُوئی۔ جو ایک ایک حرف کے ہیں، اور عالم میں حیوانات اُن تین پاروں کی مثال ہیں۔ جو دو حرفی ہیں، اِس لئے کہ حیوانات میں دو نفس ہیں، ایک نامیّہ اور دُوسرا حِسّیہ، اور یہ جانور بھی تین قسم کے ہوتے ہیں، ان میں سے ایک تو پیٹ کے بل رینگتا ہے، دُوسرا وہ ہے جو چار پیروں سے چلتا ہے اور تیسرا وہ ہے جو دو پیروں سے چلتا ہے، اور عالم میں انسان شہادت کے اِس ایک پارے کی مثال ہیں جو سہ حرفی ہے، اِس لئے کہ اِنسان میں تین نفس ہیں، جیسے: نامیّہ، حِسّیہ اور ناطقہ، اور انسان کی نوع میں کوئی اور قِسم کی مخلوق نہیں، جس طرح شہادت میں اِس سہ حرفی پارے کے بعد کوئی اور حرف نہیں، اور اُن تین حروف کی مثال، جو کلمۂ اخلاص کی بُنیاد کی حیثیت سے ہیں، عقل، نفس اور جدّ ہیں۔

نیز ہم یہ بتائیں گے، کہ شہادت کے سات پارے بارہ حروف پر مبنی ہیں، یہ اِس حقیقت کی دلیل ہے، کہ سات امام ان بارہ حجّتوں سے خطاب کر رہے ہیں، جن کو دعوتِ حق کی غرض سے بارہ بزائر میں قائم کیا گیا ہے، پس جاننا چاہیئے، کہ رسُول مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خُدا تعالیٰ کو نہیں دیکھا، لیکن آنحضرت نے آفاق و انفس کی اس گواہی کے ذریعہ یہ گواہی دی اور ہمیں بھی فرما دیا، جو حضور

نے اُن دونوں میں دیکھا، کہ وہ اپنے عملِ تخلیق (کی زبانِ حال) سے گواہی (کے یہی الفاظ) کہہ رہے تھے۔

اَب ہم بقول مختصر یہ کہیں گے، کہ عالم، اِنسانی جسم، زمانہ، نماز اور قرآن میں سے ہر ایک اپنی ترکیب و تشکیل کے ذریعہ کلمۂ شہادت پڑھتا ہے، چُنانچہ عالم کا کلمۂ شہادت پڑھنا اِس طرح ہے، کہ عالم مجموعاً ایک ہے، جیسے کلمۂ شہادت ایک قول ہے، اور عالم دو قسموں میں ہے، یعنی اس میں نفی کی طرح غیر آبادی ہے اور اثبات کی طرح آبادی ہے، اور عالم کی تین مُسافتیں ہیں: طول و عرض و عمق، شہادت کے الف، لام اور ھا کی طرح، اور عالم چار حِصّوں میں ہے، جیسے مشرق، مغرب، جنوب اور شمال، جس طرح کلمۂ شہادت کے چار حِصّے ہیں، اور عالم کی سات اقلیم ہیں، شہادت کے سات پاروں کے برابر اور عالم کے بارہ[1] جزیرے ہیں، شہادت کے بارہ حروف کے برابر۔

اِنسانی جسم، یعنی عالمِ صغیر کا کلمۂ شہادت پڑھنا اس طرح ہے، کہ اِنسان من حیث المجموع "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی واحد شہادت کی طرح ایک ہے، اور اِنسان کا یہ جسم دو حِصّوں میں ہے: اگلا حِصّہ

---

[1] : بارہ جزیرے، عرب، ترک، بربر، زنگ، حبشہ، خزر، چین، فارس، رُوم، ہند، سِندھ، اور صقالیہ۔

اور پچھلا حصّہ، پچھلا حصّہ نفی کی مثال اور اگلا حصّہ اثبات کی مثال ہے، نیز انسان میں نامی، حسّی اور ناطقی کے تین نفوس ہیں شہادت کے تین حروف کے برابر اور انسانی جسم چار کششوں میں ہے، جیسے صفرا، سودا، خون اور بلغم، ان چار کلمات کے برابر جو شہادت میں ہیں اور انسانی جسم میں سات اعضائے رئیسہ ہیں، جیسے: دماغ، دل، کلیجہ، پھیپھڑے، تلّی، پتّا اور گُردے، شہادت کے سات پاروں کے برابر، اور انسان کے جسم میں بارہ مُجرا ہیں، جیسے ۲ دو کان، ۲ دو آنکھ، دو نتھنے، ایک مُنہ، ۲ دو شرمگاہیں ۲ دو پستان اور ایک ناف، شہادت کے بارہ حروف کے برابر۔

سال کا کلمہ شہادت پڑھنا، جس پر زمانہ گردش کر رہا ہے، اس طرح ہے، کہ سال اپنے اجزاء کے جامع ہونے کی حیثیت سے ایک ہے، شہادت کے واحد کلمے کے برابر، جو اپنے حروف کا جامع ہے، اور سال دو قسموں میں ہے، جیسے رات اور دن، جس میں رات شہادت کی نفی کی مثال اور دن اثبات کی مثال ہے، اور سال میں تین حالات پائے جاتے ہیں، جیسے رات کے ساتھ دن کی برابری رات کے مقابلے میں دن کی کمی اور بیشی، یہ شہادت کے تین حروف کے برابر ہیں، اور سال میں چار موسم ہوتے ہیں، جیسے بہار، گرما، خزاں اور سرما، یہ شہادت کے چار الفاظ کے برابر ہیں، اور سال میں سات دن چکّر کاٹتے ہیں، جن کے شروع میں اتوار اور آخیر میں سنیچر ہے۔ جو شہادت کے سات

پاروں کے برابر ہیں، اور سال میں بارہ مہینے رواں ہیں ان بارہ حروف، کی طرح جو شہادت میں ہیں۔

کلمۂ شہادت کی سچّائی پر نماز کی گواہی اِس طرح ہے، کہ نماز قائم کرنا ایک حق ہے، جسے شہادت کے حقوق کے سلسلے میں ادا کیا جاتا ہے چُنانچہ نماز ایک ہے اور وہ دو قسم کے اوقات میں پڑھی جاتی ہے، یا فریضہ کے طور پر مقدّرہ وقت پر یا نفل کے طور پر غیر معیّن وقت پر (نماز کی یہ صورتیں) شہادت کی نفی اور اثبات کی برابر ہیں، چُنانچہ غیر مُعیّن وقت نفی کی مثال اور معیّن وقت اثبات کی مثال ہے، اور نماز کے اسباب تین ہیں، جیسے فریضہ، سُنّت اور نفل، جو ان تین حروف کی مثال ہیں، جن پر شہادت کی بُنیاد ہے، اور نماز ایک سلام میں چار رکعت سے زیادہ نہیں، ان چار کلمات ہی کے برابر جو شہادت میں ہیں، اور نماز میں نمازی کے اعضاء کے سات مقامات زمین کو چھُوتے ہیں، جیسے دو تلوے، دو گھُٹنے، دو ہتھیلیاں، اور ایک ماتھا، شہادت کے سات پاروں کے برابر، اور نماز میں بارہ امُور ایسے ہیں کہ جن سے نماز مکمّل ہو جاتی ہے جیسے: پہلی تکبیر (۱) کھڑے رہنا (۲) الحمد پڑھنا (۳) سورہ پڑھنا (۴) رکُوع کرنا (۵) تکبیر رکُوع (۶) سجدہ (۷) تکبیر سجُود (۸) سمع اللہ لمن حمدہ کہنا (۹) کھڑے ہو جانا (۱۰) تحیّات پڑھنا (۱۱) سلام پھیرنا (۱۲) جو شہادت کے بارہ حروف کے برابر ہُوئے۔

قرآن کلمۂ شہادت کی حقانیت پر اس طرح سے گواہی دے رہا ہے، کہ قرآن کلمۂ شہادت کی طرح ایک ہے اور شہادت کی نفی و اثبات کی طرح دو حصّوں میں ہے، اور یہ تین اسباب سے ظاہر ہوا ہے، ایک سبب یہ ہے، کہ جبرئیل علیہ السّلام نے اس کو محمّد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے پاک دل پر نازل کیا، چنانچہ ارشاد ہوا ہے، قولہ تعالیٰ :-

"نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۲۶/۱۹۴

(اے محمّد صلعم) اس (قرآن) کو روح الامین نے تیرے قلب پر لایا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔" دُوسرا سبب ہے (حقیقتِ مجرّدہ کی زبانِ حال سے) اس کو عربی زبان میں پیغمبر علیہ السّلام کا ترجمہ کرنا، جیساکہ فرمایا، قولہ تعالیٰ :-

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۲۶/۱۹۵

تاکہ آپ واضح عربی زبان میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔" اور تیسرا سبب ہے قرآن کا لکھنا، چنانچہ ارشاد ہُوا، قولہ تعالیٰ :-

"وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۲۶/۱۹۶

اور قرآن اگلے لوگوں کے نوشتوں میں ہے۔" یہ تین حالات شہادت کے تین بُنیادی حروف کے برابر ہیں، اور پیغمبر علیہ السّلام

نے قرآن کو چار ذرائع سے (لوگوں پر) ظاہر کیا، تنزیل (یعنی خالص رُوحانی ہدایت)، شریعت، دعوت اور رسالت (یعنی اپنی طرف سے کسی اور شخص کے ذریعہ پیغام رسانی)، یہ ذرائع شہادت کے چار کلمات کے برابر ہیں، اور قرآن شہادت کے سات پاروں کی طرح سات سات کا مجمُوعہ (یعنی سبع المثانی) ہے اور قرآن بارہ اسباب پر واقع ہے، جیسے: امر، نہی، وعدہ (یعنی اُمیّد دلانا) وعید (یعنی ڈرانا) ناسخ، منسُوخ، محکم، متشابہ، خبر، قِصّہ، حروفِ معجم (حروفِ منقوط) اور حروفِ مفرد (حروفِ غیر منقوط)، جو شہادت کے بارہ حروف کے برابر ہیں۔

لیکن آسمان کا کلمہ" اخلاص کہنا اِس طرح ہے، کہ آسمان مجموعاً ایک چیز ہے، چُنانچہ شہادت ایک کلمہ ہے اور آسمان میں حرکت و سکُون جیسے دو حالات ہیں، جو شہادت کی نفی و اثبات کے برابر ہیں، کہ حرکت نفی کی مثال اور سکُون اثبات کی مثال ہے، اور آسمان میں تین انوار ہیں، جیسے: سُورج، چاند اور ستارے، ان تین حروف کی طرح جن پر شہادت کی بُنیاد ہے، اور آسمان میں چار طبیعتیں ہیں، جیسے: گرمی سردی، تری اور خشکی، جو شہادت کے چار کلمات کے برابر ہیں، اور آسمان میں سات ستارے بادشاہ ہیں، جیسے: زحل، مشتری، مریخ شمس، زہرہ، عطارد، اور قمر، جو شہادت کے سات پاروں کے برابر ہیں، اور آسمان میں بارہ بُرج ہیں جیسے: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ،

میزان، عقرب، قوس، جدّی، دلو، اور حوت، ان بارہ حروف کے برابر جو شہادت میں ہیں۔

پس ہمارا کہنا یہ ہے، کہ عالم نے اپنی تخلیق کے ذریعہ گواہی دی، اِنسانی جسم نے گواہی دی، زمانے نے گواہی دی، نماز نے گواہی دی، قرآن نے گواہی دی اور آسمان نے گواہی دی، اس بات پر کہ کلمۂ شہادت یعنی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" حق اور سچ ہے، اور (مذکورہ گواہوں نے) پیغمبر علیہ السّلام کی دعوت کی تصدیق کر دی، اور تمام مذکورہ بالا گواہان خُدا کی یکتائی کے اقرار، رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی گواہی اور ان کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے کھڑے ہیں، اور یہ گواہ باقی (غیر فانی) ہیں جو ہرگز نہیں مرتے ہیں، نہ گواہی دینے سے رُک جاتے ہیں، اور یہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی شہادت خُدائے بُزرگ و برتر کی یکتائی پر ایک ہی گواہی ہے (جس سے مُراد) ایک ایسی یکتائی ہے جو اُسی کے لئے خاص ہے، اور شہادت جو نفی و اثبات کے دو حِصّوں میں آئی ہے، اس امر پر دلالت کرتی ہے، کہ خُدا کی مخلوقات کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ رُوحانی اور ایک گروہ جسمانی، یعنی دکھائی نہ دینے والا اور دکھائی دینے والا، اور جب رسُول نے کہا کہ لَا اِلٰہ، تو آنحضرت یہ معنی چاہتے ہیں، کہ ان دو قسم کی مخلوقات میں سے کوئی خُدا نہیں، نہ رُوحانی اور نہ جسمانی جو دکھائی نہ دینے والی اور دکھائی دینے والی ہیں

اور جب اُنہوں نے کہا، کہ اِلّا اللّٰہ، تو ان کا یہ مطلب ہے، کہ: مگر وہ خُدا جس نے رُوحانی و جسمانی کو پیدا کیا، اور یہ کہ شہادت کی بُنیاد تین حروف پر قائم ہُوئی، تو یہ تین فرشتوں پر دلیل ہے، جیسے: جدّ، فتح اور خیال، کیونکہ وہ پیغمبر علیہ السّلام کو وحی پہنچانے والے ہیں، اور یہ کہ شہادت چار کلمات پر مشتمل ہے، تو یہ دین کے چار اصُول پر دلیل ہے، جیسے: اوّل، ثانی، ناطق اور اساس، اور یہ کہ شہادت سات پاروں پر مبنی ہے، جو سات اماموں پر دلیل ہے، کیونکہ وہ دین کے ان چار اصُول سے عِلم حاصل کرتے ہیں، اور لوگوں کی طرف گُذار دیتے ہیں، اور یہ کہ شہادت بارہ حروف سے مرکّب ہُوئی ہے، جو بارہ حجتّوں کی دلیل ہے کیونکہ وہ (سات) اماموں سے عِلم حاصل کرتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے رہتے ہیں، تاکہ لوگ حق شناسی سے روکے ہُوئے نہ رہ جائیں۔

لَا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ کہنے کا مقصد جو رسُول علیہ السّلام نے کہا اور کہنے کے لئے فرمایا، یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ رُوحانی و جسمانی مخلوقات کے ان دو گروہوں، تین فرشتوں، جیسے: جدّ، فتح اور خیال، دین کے چار اصُول، یعنی اوّل، ثانی، ناطق اور اساس، سات اماموں بارہ حجتّوں میں سے کوئی شخص خُدا نہیں، اور جب رسُول کہتے ہیں: "لَا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ" کوئی خُدا نہیں، مگر اللہ، تو وہ اس میں یہ معنی رکھتے ہیں، کہ رُوحانی و جسمانی مخلوقات کے یہ دونوں گروہ، تین

فرشتے، دین کے چار اصول، سات ائمہؑ اور بارہ حجت لا الٰہ ہیں، یعنی ان میں سے کوئی خدا نہیں، اِلاّ اللہ، مگر خدا وہ ہے، جس نے اِن کو پیدا کیا ہے۔

پس جو کوئی "لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ" کو اِسی طرح سمجھے اور پڑھے اور پہچان لیا کرے، کہ یہ ایک کس پر دلیل ہے، دو کس پر دلیل ہے، تین کس پر دلیل ہے، چار اور سات کس کس کی دلیل ہیں اور بارہ کس پر دلالت کرتا ہے، تو وہ شخص ابدی عذاب سے بچ سکتا ہے، انہی حدود دیں عالم اور انسانی جسم نے گواہی دی، اور زمانہ، سال، قرآن، نماز، آسمان، زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں نے بھی یہی گواہی دی، اور یہیں سے دانشمند انسان کو ثبوت ملتا ہے، کہ یہ شہادت حق ہے، چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، قولہ تعالیٰ:-

"وَمَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" ۴۴/۳۹

یعنی ہم نے آسمان و زمین کو پیدا نہیں کیا، مگر حق کے ساتھ، لیکن ان میں اکثر لوگ اِس حقانیت کو نہیں جانتے ہیں۔" اور حقانیت کا جاننا یہ ہے کہ آفاق اور انفس نے اِس پر گواہی دی اور جو کچھ انسان سر کی آنکھ سے دیکھتا ہے، وہ حق پر گواہی دے رہا ہے، اور منافقوں کے دعویٰ کے لئے کوئی گواہی نہیں، مگر زبانی طور پر وہ کہتے جاتے ہیں اور اس کی حقیقت نہیں جانتے اُن بولنے والے پرندوں کی طرح جو اپنی بولی کے

معنی نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ نے ان حدود کا نشان ہمارے جسم میں رکھاہے اور عالم میں ہر چیز میں ان کا نشان رکھاہے اور اس کے بعد اس نے ہم سے گواہی طلب کرلی ہے، اور فرمایا ہے کہ :۔
"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کہا کرو، اور جس نے اس کلمے کو قبول نہیں کیا، اور نہ کہا تو اس کو قتل کرنا، واجب کر دیا اور اس کی اولاد و مال پر قبضہ کرنے کے لئے فرمایا [یا یہ کہ] جس گروہ نے یہ نہ پڑھا، تو ان پر جزیہ رکھنے کے لئے فرمایا، جزیہ کا مطلب ہے، بارہ درموں کا وہ سالانہ ٹیکس، جو وہ لوگ (یعنی اسلامی حکومت کے غیر مسلم محکوم) اپنے مال سے دے دیا کرتے ہیں، جو شہادت کے بارہ حروف کے برابر ہے، اور دنیا میں کوئی ایسی چھوٹی یا بڑی چیز نہیں جس میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا نشان نہ پایا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، قولہ، تعالیٰ :۔

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىٓ اَنْفُسِهِمْ
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۵۳/۴۱

ہم ان کو اس عالم میں اور ان کی جانوں میں اپنے نشانات دکھاتے رہیں گے، تاکہ انہیں ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے" اور دوسرے مقام پر فرمایا، قولہ، تعالیٰ :۔

"وَفِى الْاَرْضِ اٰيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِىٓ اَنْفُسِكُمْ ط

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۵۱/۲۰-۲۱

اور یقین والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے نفوس و اجسام میں بھی، اور کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟" جیسا کہ فرمایا، قولہ، تعالیٰ :-

" وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۱۲/۱۰۵

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے، اور وہ ان نشانیوں سے روگرداں ہوتے ہیں"۔
ایک اور جگہ فرمایا، قولہ، تعالیٰ :-

" اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۷/۱۸۵

اور کیا وہ لوگ غور نہیں کرتے، آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں" دوسری جگہ فرماتا ہے، قولہ، تعالیٰ :-

"وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ
لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۱۷/۴۴

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو (قال یا حال کے ذریعہ) اس کی حمد میں تسبیح خوانی نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی تسبیح خوانی کو نہیں سمجھتے ہو"۔
اُن کی تسبیح خوانی سمجھنا یہ ہے کہ ان حدود کے نشان کو سمجھ لیا جائے،

جو ہر چیز میں رکھا ہُوا ہے، تاکہ حقّانیت پر دلیل ہو، اور وہ تسبیح یہ ہے کہ ہر چیز "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کے ساتھ گواہی دیتی ہے، کیونکہ ہر ایک چیز میں ایک، دُو[۲]، تین[۳]، چار، سات اور بارہ کی خاصیّت و علامت پائی جاتی ہے، تاکہ ہر چیز ان حدُود پر دلیل ہو، کیونکہ وہ خُدا اور مخلوق کے درمیان وسیلے ہیں، ہم نے شہادت کے بیان میں سے ایک کافی مقدار کا ذکر کر دیا۔

کلام - ۱۲

سورۂ اخلاص کے بارے میں

ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان کریں گے، کہ کلمۂ اخلاص جو لا الٰہ اِلّا اللہ ہے، دینِ اسلام کے دروازے کی کلید ہے، اور جو کوئی اِس کلید کو لے لے، تو وہ بیت الاسلام کے مکان میں داخل ہو سکتا ہے، اور اس کو کلمۂ اخلاص اِس لئے کہتے ہیں کہ اخلاص کے معنی عربی زبان میں پاکیزہ کرنے کے ہیں، اور اس قول کے کہنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس کلمے کے ذریعہ اپنے دین کو بُت پرستی کی آلائش، مشرکوں کے اقوال اور دہریوں وغیرہ کے مذاہب کی تاریکی سے پاک کرے، جب لطیف و کثیف دونوں قسم کی مخلوقات کی صفات کو توحید سے دُور کر دینے کے ذریعہ اس کلمہ گو کا اعتقاد اپنے قول (یعنی کلمہ خوانی) کے مطابق ہو جائے، تب وہ شخص قول اور اعتقاد (دونوں) میں سچّا ہو سکتا ہے، اور اس کے بعد اِس اعتقاد اور قول کے مطابق اسے

کوئی عمل کرنا چاہیئے، تاکہ اُس کا یہ عمل اُس کے قول کو بلند کر کے عالمِ بالا تک لے جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، قولہ، تعالیٰ :-

"اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ" ۳۵/۱۰

اچھا کلام خُدا تک پہنچ جاتا ہے، اور اچھا کام ہی اُس کلام کو اُٹھا لے جاتا ہے۔" جس طرح کلمۂ اخلاص دین کا آغاز ہے (اسی طرح) سُورۂ اخلاص دین کا انجام ہے، اور صانع حکیم کے فرمان کی رُو سے یہ لازمی ہے، کہ دین کے آغاز اور انجام ایک دُوسرے کے مطابق ہوں۔ ہمارا کہنا ہے، کہ سورۂ اخلاص سارے قرآن کا خلاصہ اور انجام ہے، جو (اخیر میں) نازل ہُوا ہے، تاکہ دین کے دروازے کا کھولنا اور بند کرنا دونوں پاکیزگی سے ہوں، لیکن سارے کام اور ساری چیزیں پہلے تو حدِّ قوّت میں ہُوا کرتی ہیں، اور جو کچھ حدِّ قوّت میں ہو وہ کمزور ہوتا ہے، اور آخر کار حدِّ فعل میں آکر وہ طاقتور ہو جاتا ہے، پس اِسی طرح کلمۂ اخلاص شہادت کی صورت میں حدِّ قوّت میں ہے اور سورۂ صمد کے مقام پر حدِّ فعل میں ہے، پس ہم توضیح کر دیں گے، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- " قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ - اے محمّد (صلعم!) کہہ دیجئے کہ وہ خُدا ایک ہے"۔ اس کی تاویل اس طرح ہے کہ جیسے: "ھو" کہتا ہے، اِس سے خُدائے تعالیٰ کی مُراد ایک ایسا

کلمہ ہے، جو خالص ہوّیت ہے، اور ہوّیت کے لئے حقیقت کے بغیر چارہ نہیں (یعنی وہی کلمۂ باری ہی خدائے تعالیٰ کی ہوّیت اور اس کی حقیقت ہے) اور لفظ اللّٰہ کے ان چاروں حروف سے مُراد چار اصُولِ دین ہیں، کیونکہ وہی کلمۂ باری کے اثرات کے لئے چُنے ہوئے ہیں، جن میں سے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق دو رُوحانی اور دو جسمانی ہیں، اور اَحَد سے یہ مُراد لیتا ہے، کہ جب اِن چار اصُول میں سے ہر ایک نے کلمۂ باری سے اپنا اپنا حِصّہ، جو کچھ حاصل کرنا تھا، حاصل کرلیا، تو اُنہوں نے توحید کو جملہ صفات سے (پاک اور) بے نظیر مانا، اور ہر اس چیز سے بھی (پاک و بے نظیر مانا) جس کی صفت ہے، خواہ لطیف ہو یا کثیف، اور اُنہوں نے سُبحانہٗ کو ایسی صفات والے ناموں سے موسوم کرنے سے بھی برتر سمجھا، جو (صفات) قول کے اعتبار سے اور رُوحانی و طبیعی عمل کے لحاظ سے ایک دُوسرے کی مقابل (یعنی ضد یا مخالف) ہوں، جیسے: ہست اور نیست، مکانی اور لامکانی، تعریف کیا ہُوا اور تعریف نہ کیا ہُوا وغیرہ، پھر وہ اصُول ساری رُوحانی اور جسمانی مخلوقات میں سے اسی بُزرگی کے سبب سے ممتاز ہُوئے اور اِسی وجہ سے بے نظیر ہُوئے، پس فرمایا:۔ "اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ یعنی خُدا صمد ہے" اور صمد کے معنی سیّد کے ہیں، (یعنی جس کی طرف مہمّات میں رجُوع کیا جاتے، نیز صمد

کے معنی ٹھوس کے ہیں) یعنی جس میں جوف یا کہ کھوکھلاپن نہ ہو [نیز یہ بے نیاز کے معنی میں بھی آیا ہے] اس آیت کی تاویل یہ ہے، جو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، کہ ان چار حدود نے، جن پر (لفظ اللہ کے) یہ چار حروف دلالت کرتے ہیں، جب خدا کی توحید کو بحقیقت پہچان لیا، تو انہوں نے اس کو ہر قسم کی آلائش سے پاک مانا، اور ان میں سے ہر ایک حدّ روحانیوں کا سیّد (سردار) ہوا، اور سارے روحانیوں اور جسمانیوں نے فائدہ حاصل کرنے کے لئے انہی کی طرف رجوع کیا، مگر وہ خود بے نیاز ہیں اور ان کی حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے ان کے ماتحت روحانیوں اور جسمانیوں کو اُن کی ذات کی طرف کوئی راستہ نہ ملا، یہ ایک ایسی (ٹھوس) چیز کی مثال جیسی ہے، جس کے درمیان (جھانکنے کے لئے) کوئی راستہ ہی نہ ہو تو جو کچھ اس کے اندر پوشیدہ ہے، کوئی شخص اس کی کیفیّت سے اطلاع نہیں پا سکتا، پھر فرمایا، قولہ، تعالیٰ :-

"لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ، یعنی نہ اس نے کسی کو جنا، اور نہ کسی نے اس کو جنا" اس کی تاویل یہ ہے، کہ باری سُبحانہ، جو کسی ابتدائی مایہ اور ذریعہ کے بغیر چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، اور اس نے ابتدائی چیز (عقل) کو دُوسری چیزوں کے لئے عِلّت (یعنی سبب و مایہ) ٹھہرا دی ہے، اور وہ خود اس بات سے برتر ہے، کہ کسی چیز کی عِلّت و مایہ ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے، کہ چیزیں اسی (باری سُبحانہ) سے پیدا ہوئی ہیں، اگر واقعاً ایسا ہی ہوتا تو وہ خود ہی چیزوں کی عِلّت

ہو جاتا (حالانکہ) علّت چیزوں کے باپ کے مانند ہے، اور باپ بننے والے کے مانند ہے، اور فرزند گویا اُس کا جنا ہُوا ہے، اور وہ جلیل القدرت خُدا چیزوں کی علّت نہیں، یہ لَمْ یَلِدْ کی تاویل ہُوئی۔

وَلَمْ یُوْلَدْ کی تاویل یہ ہے، کہ وہ جلّت عظمت کسی چیز سے پیدا نہیں ہُوا، تاکہ وہ چیز اُس کی علّت کہلائے، اور وہ جلّ جلالہٗ معلول بنے، چُنانچہ فرزند باپ کا معلول ہوتا ہے، اور ہر وہ چیز جس کی کوئی علّت ہو تو گویا وہ اپنی علّت ہی سے جنی ہُوئی ہوتی ہے، پس خُدائے تعالےٰ جس طرح چیزوں کی علّت نہیں، اسی طرح وہ ان کا معلول بھی نہیں، اور جو کوئی خُدائے تعالیٰ کو عالم کہتا ہے، یا حکیم یا قادر کہتا ہے، تو علم، حکمت اور قُدرت کو اُس کی علّت مانتا ہے، اِس لئے کہ عالم کی علّت اس کا علم ہے، حکیم کی علّت اُس کی حکمت ہے اور قادر کی علّت اس کی قُدرت ہے، پس اس شخص نے (نتیجے کے طور پر) یہ کہا ہوگا، کہ خُدا کو جنم دیا گیا ہے، پھر فرمایا :- "وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۱۱۲/۴ یعنی اِس کے برابر کا کوئی نہیں"۔ اِس کی تاویل یہ ہے، کہ احدیّت (یکتائی) جو ابداع (یعنی کسی مایہ و ماخذ کے بغیر چیزوں کو پیدا کرنے کی طاقت) ہے وہ عقلِ کُلّ کی علّت ہے، اور عقلِ کُلّ اپنی تمام لطافت اور جلالت کے باوجود مُبدِعِ حق کے برابر نہیں، اور ابداع وہ ہے، کہ انسانی اوہام (یعنی تصوّرات) کے لئے فوری طور پر اُس (حقیقت) تک راستہ

مل نہیں سکتا، اِس لئے دانا حکماء نے ابداع کو "نیست" کا نام دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ وہ سب سے پہلا موجُود، جس سے دُوسری تمام موجودات پیدا ہُوئیں، عقلِ کُلّ تھا، اور عقلِ کُلّ احدّیت سے پیدا ہُوا، اور انسانی عقل کے فیصلے سے یہ لازم آتا ہے، کہ ہست نیست ہی سے پیدا ہو، اور جب احدّیت کے لئے کوئی اثبات ہی نہ تھا، تو اُنہوں نے اس کو "نیست" کا نام دیا، اور کسی انسانی وہم و تصوّر کی یہ طاقت نہیں کہ مایۂ اوہام (وہموں کی بُنیاد) یعنی عقلِ کُلّ سے آگے گزر سکے، تاکہ عقلِ کُلّ کے پیدا کرنے والے تک پہنچ جائے، اگر کوئی شخص (اس مقام تک پہنچنے کے لئے) قوّتِ واہمہ چلائے، تو یہ ایک ناممکن چیز کی طلب ہوگی، مگر چیزیں تو محسوس کے مشاہدے سے (اس کو) جانتی ہیں، اِسی لئے گواہی دیتی ہیں، کہ مُماثِل ہستیوں کے مانند قرار دیئے جانے سے خُدا پاک ہے،

فصل

توضیح کی جاتی ہے، کہ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے: "اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۳۹/۳ یاد رکھو کہ خالِص دین خُدا ہی کا ہے" یعنی ایسا دین جو پاک اور کسی آمیزش کے بغیر اور نفی و اثبات (کی صُورت میں) ہو، قول میں بھی، اعتقاد میں بھی اور عمل میں بھی، چُنانچہ جب کوئی

شخص اپنے قول، اعتقاد اور عمل کو ہر قسم کی آمیزش سے پاک کرے، تب ہی وہ بحقیقت خُدا کے خالص دین میں آیا ہُوا ہوتا ہے، اور جو شخص اپنی زبان کو نامناسب باتوں سے پاک رکھے، تو اس کا قول خُدا کے قول کے مانند ہو جاتا ہے، اور وہ خُدا (کی صفات) کے لائق ہو سکتا ہے، جس طرح خُدائے تعالیٰ نے مٹّی کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کیا، یہاں تک کہ وہ آدمؑ کی صورت کی لائق بن گئی، پس یہ لازم آیا کہ آدم اور اس کی اولاد کے دین کی بُنیاد ایک ایسے کلمے پر ہو، جو نفی و اثبات دونوں پر حاوی ہُوا ہو، اور وہ کلمہ اخلاص ہی ہے، جس میں خُدا کا نام پہلے تو نکرہ میں آیا ہے، یعنی معرفہ کے الف و لام کے بغیر ہے، جیسے: إلٰہ، اور اس کے بعد یہی نام اسمِ معرفہ ہے، جیسے اللہ، اور اللہ کے نام کے الف و لام نکرہ ہیں، کیونکہ یہ معرفہ کے الف و لام نہیں، اور معرفہ کے الف و لام تنزیل و تاویل، رسول و وصی اور محسوس و معقول پر دلیل ہیں، اِس لئے کہ چیزوں کی پہچان مذکورہ چھ وجوہ سے ہو سکتی ہے، [یعنی موجُوداتِ ذہنی و خارجی کی پہچان کے لئے مجموعاً یہی چھ چہرے ہیں] اور ان مذکورہ چیزوں کو صرف شکل و صُورت سے پہچان لیا جا سکتا ہے، اور جب ان کی صُورت ظاہر نہ ہو، تو وہ اَن پہچانی رہ جاتی ہیں، (اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں چیز) کِس سبب سے ہے، اور کِس شکل کی ہے، مگر یہی ہے، کہ جس ہیولا (بلا صُورت مادّہ) کو اس عالم میں صُورت مل

چکی ہو، تو وہی اپنی حدّ میں اور صورت کے بعد پہچانا جاسکتا ہے۔

جب عالم میں یہی (قانون) تھا، تو (اِس لئے) کلمۂ اخلاص میں نکرہ معرفہ سے پہلے آیا ہے، (یہ بتانے کے لئے کہ ہر چیز پہلے تو نکرہ یعنی اَن پہچانی ہوتی ہے، پھر معرفہ یعنی پہچانی ہوئی ہوتی ہے) جس میں نکرہ تو إِلٰهَ ہے، اور معرفہ اللّٰه ہے، اور خُدا کے نام کی نفی کرنا لام و الف کے ذریعہ ہے، جو (یہ دونوں حرف) ایک دُوسرے پر واقع ہوتے ہیں، جیسے: لا [جو رسُولؐ اور وصیؑ کی مثال ہے، کہ ان کا نور ایک دُوسرے کی ذات میں اس طرح داخل ہے، جس طرح کلمۂ اخلاص کے یہ لام اور الف: لا اور انہی کے ذریعہ تنزیل و تاویل اور محسوس و معقول کے جوڑوں کی شناخت حاصل ہوسکتی ہے، نیز انہی کے ذریعہ ہر چیز کی نفی اور اثبات ہوسکتا ہے، جس طرح کلمۂ اخلاص میں نکرہ و معرفہ اور نفی و اثبات کا ذریعہ صرف الف اور لام ہی ہیں یعنی لا اور إِلاّ] اور اِس کے بعد نکرہ آتا ہے جیسے إِلٰه، اور (جس طرح نفی لام و الف سے ہوئی تھی، اِسی طرح) اثبات بھی الف و لام ہی سے ہوتا ہے، جو لام و الف کا برعکس ہے، جیسا کہ نکرہ معرفہ کا برعکس ہے، اور سُورۂ اخلاص میں خُدائے تعالیٰ نے اپنی یکتائی آشکار کردی، اور فرمایا:- قولہ، تعالیٰ: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور کلمۂ اخلاص میں یہی حقیقت اشارے کے طور پر ہے، جس میں فرمایا کہ کوئی معبُود نہیں سوائے خُدا کے، یعنی وہی یکتا ہے، ہم اِس لئے اِس

سے پہلے بتا چکے ہیں، کہ توحید سورۂ اخلاص میں فعل میں آئی ہے، اور کلمۂ اخلاص میں قوّت میں موجود ہے، اِس لئے کہ چیزیں پہلے تو حدِّ قوّت میں پائی جاتی ہیں اور کمزور ہوتی ہیں، پھر وہ حدِّ فعل میں پہنچ کر طاقتور ہوجاتی ہیں۔

پس ہمارا بیان یہ ہے، کہ خُدائے تعالیٰ نے اپنے متعلق احد یعنی یکتا کہا، اور وہ تبارک و تعالیٰ جلّ ذکرہٗ اپنی خلقت اور فرمان کی طرح اپنی ذات میں یکتا ہے [چُنانچہ اپنے فرمان کے بارے میں فرماتا ہے:

"وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ" ۵۴:۵۰

اور ہمارا امرِ "کُن" صرف ایک ہی بار ہے، جیسے: آنکھوں کا جھپکانا پس اس فرمانِ واحد اور اس کے تحت پیدا شدہ خلقت واحدہ کی دلیل پر خُدائے تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے] امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اِسی طرح پڑھا ہے: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ الْاَحَدُ"[1] اور اِسی طرح ہی لازم آتا ہے، کیونکہ اللہ معرفہ ہے، اور احد نکرہ ہے، اور جب معرفہ کو نکرہ سے موصوف کیا جائے تو اس صفت کے

---

[1]: اس مطلب کے سلسلے میں مزید معلومات کے لئے، نیز سورۂ اخلاص والے پورے اسماء اللہ کی شرح کی تحقیق و تصدیق کے لئے کتاب الزینۃ جلد دوم، صفحہ ۳۲ تا ۴۵ ملاحظہ ہو۔

معنی اُس پر واقع ہونے سے معرفہ اور نکرہ کے درمیان معنوی شرکت ہوتی ہے، جب تو معرفہ کو معرفہ ہی سے موصوف کرے گا، تو وہ صفت اُس معرفہ کے لئے کسی دُوسری چیز کی شرکت کے بغیر مخصوص ہو جاتی ہے، اور دلیل ملتی ہے، کہ نزول کی اصل "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَلْاَحَدْ" ہے، اِس لئے کہ فرماتا ہے: "اَللّٰهُ الصَّمَدْ" چُنانچہ نام معرفہ ہے، اور صفت بھی معرفہ ہے اور صمد کے یہ معنی ہیں، کہ دُوسرے سب اپنی حاجات کے لئے اِس کی طرف رجُوع کرتے ہیں۔ اور اس کے معنی یہ بھی ہیں، کہ وہ جزو جزو ہو ہی نہیں جاتا، نیز صمد وہ ہوتا ہے جس کے درمیان کوئی خلا نہ ہو، اور یہ صمد لفظ احد کی احدیت کے معنی کو مضبُوط کر دیتا ہے اور وہ اِس طرح کہ گنتی کی جُفتیں ایک سے پیدا ہو جاتی ہیں، اور وہ سب ایک کی محتاج رہتی ہیں، کیونکہ اِن کی ہستی اُسی سے ہے، پس صمد کے یہی معنی ہیں اور جب یہ سورۂ اخلاص کلمۂ اخلاص کا دُوسرا رُخ ہے تو لازم آتا ہے، کہ اس سورے کا آغاز معرفہ اور اس کا خاتمہ نکرہ ہو؛ اس واقعہ کے برعکس کسی کلمہ اخلاص کا آغاز نفی اور نکرہ ہے جیسے لَآ اِلٰهَ، اور اس کا خاتمہ اثبات اور معرفہ ہے، جیسے: اِلَّا اللّٰه۔

نیز ہم یہ بتائیں گے، کہ احد اور صمد کے معنوں کو خُدائے تعالیٰ کا یہ قول محکم کر دیتا ہے:۔ "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ" اس لئے، کہ ولادت (جنم) تو جفتوں کے درمیان موجُود ہے، اور طاق سے کوئی تولید ہی نہیں، اور مولود کو اس جوڑے کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے

جس سے وہ پیدا ہُوا ہو کیونکہ یہ ان دونوں کا تیسرا ہے، اور باری سُبحانہٗ تعالیٰ کا ان جفتوں کو پیدا کرنا کسی جفت کے ذریعہ سے نہیں، تاکہ اِن جفتوں کو اس کے ساتھ مناسبت ہو، بلکہ وہ کوئی ایسے "ایک" سے پیدا ہُوئی ہیں کہ کسی وجہ سے بھی اُس کی تقسیم اور تجزیّہ نہیں ہو سکتا، اور ہر مولود اس شخص کے مانند ہوتا ہے، جس سے یہ پیدا ہُوا ہے جیسے: معلول علّت کے مانند ہوتا ہے، اور خُدائے تعالیٰ کا چیزوں کو پیدا کرنا علّت کے اپنے معلول کو پیدا کرنے کی طرح نہیں، کیا تُو نہیں دیکھتا، کہ خُدائے تعالیٰ یُوں فرماتا ہے:۔ "وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"۔ یعنی کوئی شخص اس کے لئے لائق و ہمسر نہیں۔" اِس لئے کہ وہ ذات اور فعل میں یکتا ہے، جس نے اپنے امر کے ذریعہ لاشَیٔ سے شَیٔ پیدا کی، اور یہ اسم احد سورے کے اخیر میں نکرہ ہے، جس طرح یہ شروع میں معرفہ ہے، اس لئے کہ احدّیت (یعنی ایک کی صفت و خاصیت) مخلوقات میں پائی نہیں جاتی اور وہ پہچانی ہُوئی نہیں، بلکہ وہ خُدا ہی کی ہے، اور احد کے معنی "کوئی شخص" کے ہیں، اور واحد کے معنی ایک کے ہیں، اور ان دو لفظوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، مثلاً اگر ہم یہ کہیں، کہ "زید کو کوئی شخص پسند نہیں آتا۔" یہ مطلب اس سے بڑا ہے، جو ہم کہیں، کہ "زید کو ایک شخص پسند نہیں آتا ہے۔" پس جو کچھ فرماتا ہے، کہ اس کا "کفو" نہیں، تو اس سے خُدائے تعالےٰ کی مُراد یہ ہے، کہ اَحَدٌ (حقیقی معنوں میں) مخلوق کے لئے نہیں۔ یہ

فصل دانش والوں کے لئے لکھی گئی، اور جس کی دانش نہیں، یا [دانش حاصل کرنے کی صلاحیت] نہیں رکھتا، تو اس کے لئے اس حقیقت کا سمجھ لینا دشوار ہے، مگر وہ شخص (سمجھ سکتا ہے) جس کو علمِ تاویل میں کچھ تجربہ حاصل ہُوا ہو، والسّلام۔

کلام-۱۳

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم
کی تاویل کے بارے میں

اِس بارے میں ہمارا بیان یہ ہے، کہ بموجب فرمانِ الٰہی آنحضرت نے لوگوں کو کلمۂ اخلاص (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) کی دعوت کی، اور اس کلمے میں آنحضرت نے باری سُبحانہٗ و تعالیٰ سے مخلوقات کی صفات کی نفی کر دیا، اور اس کی یکتائی کا اثبات کر دیا، پس لوگ نفی و اثبات کی طرح دو گروہ ہُوئے، جن میں ایک گروہ اہلِ حق کا ہُوا (اور دُوسرا گروہ اہلِ باطل کا) اہلِ حق نے اُن صفات کی نفی کر کے توحید کو مجرّد کر دیا، جن کا اہلِ باطل نے اثبات کیا تھا، جبکہ اہلِ باطل کے لئے وہ اشارہ واضح نہ ہوسکا، جو کلمۂ اخلاص میں تھا، اور خُدا تعالیٰ نے اپنے رسُول کو دیوراندہ (شیطانِ الرّجیم) سے بچ کر خُداوند کے حضور میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنے

کے لئے فرمایا، اِس آیت کے بموجب، قولہ تعالیٰ :-

"فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۹۸/۱۶"

(اے رسُول!) جب آپ قرآن پڑھیں تو اپنے آپ کو شیطانِ راندہ سے خُدا کے حضور میں محفوظ رکھئے۔" پھر پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قرآن پڑھنے سے پہلے " اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" کہنے کے لئے فرمایا، اور عربی لغت کے اعتبار سے "رجیم" وہ شخص ہوتا ہے، جو بغیر دیکھے اور بغیر سُنے اپنی ہی طرف سے باتیں بناتا ہو، اور یہ لفظ "رجیم" عربی میں فعیل کے وزن پر ہے، جس کے معنی فاعل کے ہیں، چُنانچہ علیم اور عالِم کا مطلب ایک ہی ہے، اِسی طرح قدیر اور قادر کا مطلب ایک ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اِس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے :-

"خَمْسَۃٌ سَادِسُھُمْ کَلْبُھُمْ رَجْمًا بِالْغَیْبِ ۲۲/۱۸"

اصحابِ کہف کے قِصّے کے سلسلے میں فرماتا ہے: "ایک گروہ نے کہا، کہ وہ لوگ پانچ نفر تھے اور ان کا چھٹا ان کا کُتّا تھا، انہوں نے غائبانہ یعنی بغیر دیکھی اور بغیر سُنی باتیں کیں۔" اور اَن دیکھی چیزوں کے بارے میں ذکر کرنا جائز نہیں، مگر یہ ہے، کہ تُو نے وہ چیز دیکھی ہو یا اِس کے بارے میں تُو نے کسی سچ بولنے والے سے سُنا ہو، نیز

رحیم کے معنی ہیں، سنگسار کیا ہُوا، اور راندہ کیا ہُوا، اور یہ تمام معانی ایک دُوسرے کے نزدیک اور آپس میں ملے ہُوئے ہیں، کیونکہ جب کوئی شخص نا دیدہ اور ناشنیدہ بات کرتا ہے تو اس کو گویا سنگسار کر دیا جاتا ہے اور نکال دیا جاتا ہے، اور (اسی طرح) دین کے مالک کے فرمان کے بغیر جب کوئی شخص دین میں اپنے نفس کی غرض پر چلتے ہُوئے اپنی ہی دعوت کرنے لگتا ہے، تو اسے (دین) سے نکال دیا جاتا ہے، اور اس کو دُور کر دیا جاتا ہے، اور یہ لفظ "رجیم" جس کی صفت سے شیطان کو موصُوف کیا گیا ہے، اس شخص پر دلیل ہے، جس نے رسُول (صلعم) کے فرمان کو چھوڑا ہے اور اپنی رائے اور قیام کے پیچھے چلا ہے، اور "اَعُوذ باللہ" کے اس قول میں تو یہ کہتا ہے کہ :- "میں اپنے آپ کو خُدا کے حضور میں محفوظ رکھتا ہُوں"

یہ ایک ایسے شخص کی پیروی پر دلیل ہے، کہ وہ جو کچھ کہتا ہے تو اپنی ہی طرف سے نہیں کہتا، جس طرح خُدا تعالیٰ نے اپنے رسُول کی تعریف کی، کہ آنحضرت خُدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے تھے، اور اپنی غرض کی بات نہیں کرتے تھے، قولہ، تعالیٰ :-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۵۳/۳-۴

(رسُول) اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولا کرتے ہیں، وہ یعنی قرآن اور کچھ نہیں مگر وحی ہے، جو بطریق وحی بھیجا گیا ہے" پس

جس شخص نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اجازت (فرمان) سے دینی باتیں کیں تو وہ خُدا کے راستے پر ہی چلا اور جس نے دین میں اپنی ہی غرض کی باتیں کیں، تو وہ راندہ شیطان ہُوا، اور کلمہ "اَعُوذ باللہ" عربی زبان میں اس مطلب کے لئے بولا کرتے ہیں، کہ میں اس شخص کے پاس جاتا ہُوں، جو مجھے (بچانے کے لئے) کافی ہے، پس دیندار لوگ اُسی شخص کے پاس جاتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے (اسی کام کے لئے) قائم کر دیا ہے، جس کی ذِمّہ داری لوگوں کو اسی طرح بچانا ہے، اور وہ دیندار لوگ اُسی شخص کے ذریعہ مکّار شیطان (کے فریب) سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول کے ذریعہ اس مطلب کو واضح کر دیا ہے :-

"قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ = (اے رسُول!) آپ کہیئے کہ میں اپنے آپ کو لوگوں کے پروردگار کے پاس محفوظ رکھتا ہوں،"

"مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ = جو لوگوں کا بادشاہ اور ان کا خُدا ہے"۔

اس کی تاویل یہ ہے، کہ لوگوں کی رُوحانی پرورش اس شخص سے ہونی چاہیئے، جس کو اس بارے میں خُدا کا فرمان حاصل ہُوا ہو، جو خُدا کی خاص بادشاہی میں رہتا ہو، اور اس کے فرمان پر عمل کرتا ہو، چُنانچہ بندہ آقا کے حُکم پر عمل کرتا ہے اور وہ اپنی ذات سے کچھ بھی نہیں کرتا، جس طرح آزاد لوگ اپنی آزادی سے کام کرتے ہیں۔

"مَلِکٌ" اور "ربّ" اللہ تقدس و تعالیٰ ہی ہے، اِس ترتیب میں

سب سے پیچھے لفظ "اللہ" فرمایا گیا۔ "ربّ" سب سے پہلے ارشاد ہُوا، اور "مَلِک" درمیان میں فرمایا گیا، اِس لئے کہ پروردگار ایک ایسا نام ہے، جو ہر شخص کے لئے استعمال ہو سکتا ہے، جیسے: بچّوں، مویشیوں وغیرہ کا پالنے والا (پروردگار) پھر مَلِک رَبّ سے زیادہ خاص ہے، اور اللہ مَلِک سے زیادہ خاص ہے، اور اس نام میں کوئی مخلوق حِصّہ دار نہیں ہو سکتی۔

جب شیطانِ رجیم سے بچنے کے لئے اس طرح کی پناہ لی جائے تو راندہ شیطان ایسے شخص پر غالب نہ آسکے گا، کہ اس کو فریب دے اور گمراہ کر سکے۔ اور جب کوئی انسان خُدا کو نہ پہچانے، اور شیطان کو نہ پہچانے، تو وہ حق تک نہیں پہنچ سکے گا، اور مومن کا نفس اس شخص کے ذریعہ پاک ہونا چاہیئے، جس کے پاس وہ پناہ لیتا ہے، اور اُس شخص کی وجہ سے ناپاک نہ ہو جانا چاہیئے، جس سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہُوا ہے، اور جب اس مومن نے ان دونوں کو پہچان لیا، تو وہ پاک ہُوا، چُنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

"اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۱۶/۹۹

یقیناً اُن لوگوں پر شیطان کا کوئی غلبہ نہیں، جو (حقیقی) مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں" پس خاندانِ برحق

کے دشمن سے دین کی حفاظت امام زمانہ ہی کے ذریعہ ہے۔

کلام - ۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
کی تاویل کے بارے میں

ہم اللہ تعالیٰ کی (عطا کردہ) توفیق سے بیان کرتے ہیں کہ کلمۂ اخلاص (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) سے دانشمند کے لئے یہ ظاہر ہو جاتا ہے، کہ جو کچھ (بظاہر موجود) ہے، جب اس کی ہستی کی نسبت خُدا کے نام کے سوا پائی جائے! تو وہ چیز نفی قرار دی جاتی ہے، یعنی وہ چیز فی الحقیقت یا تو "نیست" ہے، یا نیست ہونے والی ہے، اور خُدائے تعالیٰ مُثبّت (ثابت و برقرار رکھنے والا) ہے، کیونکہ وہی تو ہست و نیست کا بادشاہ ہے، اِس لئے، کہ ہست کو نیست سے اسی نے پیدا کر دیا ہے، اس کے بعد اَعُوۡذُ بِاللّٰہ کے قول سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے، کہ راستہ دکھانے والا کون ہے، اور راستے سے بھٹکانے والا کون ہے، نیز (یہ کہ) وہ شخص کونسا ہے،

جس کی طرف لوگوں کو رجُوع کرنا چاہیئے، اور وہ شخص کونسا ہے، جس سے لوگوں کو بھاگ جانا چاہیئے، پھر اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں، کہ تم اُس شخص کا اثبات کرلو جو تم کو پناہ دینا اور ثابت قدم رکھنا اِسی کے لئے شایان ہے۔

پس ہم " بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ " کا بیان کر دیتے ہیں، جس میں اسم " اللّٰہ " اس حقیقت کی دلیل ہے، کہ خُدائے تعالیٰ نے ابتدائی چیزوں کو نیستی ہی سے پیدا کر دیا، کیونکہ " اللّٰہ " ایک ایسا نام ہے جو کسی دُوسرے لفظ سے بنا ہُوا نہیں (یہ اِس لئے ایسا ہے) تاکہ باعتبارِ لفظ خُدائے تعالیٰ کے ساتھ معنی کی کوئی نسبت نہ ہونے پائے، یہ مثال " کسی چیز سے بغیر " چیز پیدا ہو جانے کی ہے یعنی یہ مثال اس حقیقت کی دلیل ہے، کہ خُدائے تعالیٰ نے رُوحانیوں کو کسی چیز سے بغیر پیدا کر دیا، اور یہ دونوں مثالیں (یعنی غیر مشتق نام اور بغیر چیز سے چیز کا پیدا کرنا) ایک دُوسرے سے مِلتی جُلتی ہیں، پھر اس ترتیب میں " رحمٰن " دُوسرا نام ہے، جو رحم سے مشتق ہے، چُنانچہ رسُول علیہ السّلام نے فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ اَحَبَّ الۡاَرۡحَامَ وَاَمَرَ بِوَصۡلِھَا وَ
اِشۡتَقَّ لِنَفۡسِہٖ اِسۡمًا وَھُوَ الرَّحۡمٰنُ۔

بے شک اللہ تعالیٰ قرابت داروں کو (اُن کی باہمی قرابت کی

کی وجہ سے) دوست رکھتا ہے، اور اُس نے اِس قرابت (یعنی صلۂ رحم) کو قائم رکھنے کے لئے امر کیا ہے، اور اُس نے اِس (لفظ رحم) سے اپنے لئے ایک اسم مشتق کیا ہے، اور وہ (اسم) رحمٰن ہے، تو (یہ حقیقت اس امر کی) دلیل ہے، کہ اللہ تعالیٰ ظاہر چیزوں کو پوشیدہ چیزوں سے پیدا کر دیتا ہے، جس طرح رحم (بچّہ دان) اپنی ظاہر چیزوں کو پوشیدہ چیزوں سے پیدا کر دیتا ہے۔

اسمِ "رحیم" لفظ رحمت سے بنا ہے، اور رحمت نے ظاہر چیزوں کو آغاز ہی سے گھیر لی ہے، اور پوشیدہ چیزوں کو اِس نے ہمیشہ سے گھیر لی ہے، اور رحمت مہر کا نام ہے، جو دل میں پیدا ہُوا کرتی ہے (جس کی خاصیّت یہ ہے) کہ یہ دُوسروں کے لئے ہر قسم کی نیکی کرا لیتی ہے، یا دُوسروں سے بدی زائل کرا دیتی ہے، پس خُدائے تعالیٰ ہماری ظاہری ضروریات میں، اسم پر رحمٰن ہے، یعنی ہمیں کھانے، پینے، پہننے، اور دُنیا کی دُوسری چیزیں عطا کر دینے والا ہے، نیز وہ ہمارے باطن پر رحیم (رحمت کرنے والا) ہے، یعنی ہمارے نفوس کے لئے جس چیز کی ضرُورت ہے، وہ چیز اپنے انبیاء اور ان کے نمائندوں کی زبان پر ہمیں پہنچا دینے والا ہے، اس مطلب کی تشریح (یہ ہے، کہ جن حضرات کی زبان پر خُدا کی رحمت ہمارے لئے نازل ہُوا کرتی ہے ان میں اوّلین شخص) پیغمبر (صلعم) ہیں، پھر ان کے وصیؑ ہیں، پھر امامِ زمان ہیں، اور انہی (یعنی امامِ زمانؑ) کے ذریعہ ان کے ماتحت درجات

کو یہ رحمت پہنچتی ہے۔

یہ آیت یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ چار کلمات (بسم - اللہ - الرحمٰن - الرحیم) پر مبنی ہے، اور دس حروف سے ہے، جیسے: ب، س، م، ا، ل، ہ، ر، ح، ن، ی، اور نو پاروں میں ہے، جیسے بسم - ا[2] - للہ[3] - ا[4] - لر[5] - حمٰن[6] - ا[7] - لر[8] - حیم[9]، اور اس کے حروف مجموعی طور پر اُنیس (۱۹) ہیں، اور اس آیت کے دس بُنیادی حروف میں سے پانچ حروف غیر مکرّر ہیں، یعنی دہرائے ہوئے نہیں ہیں، جیسے: ب، س، ہ، ن، ی، اور پانچ حروف مکرّر ہیں، یعنی دہرائے ہوئے ہیں، جیسے: م، ا، ل، ر، ح۔

پس ہم اس کی تاویل کرتے ہیں، کہ اس آیت کے چار کلمے چار اصولِ دین پر دلیل ہیں، جو دو رُوحانی اور دو جسمانی ہیں، اور اس کے نو پارے، دو جسمانی حدود اور سات بڑے ادوار کے مالکوں پر دلیل ہیں، اور وہ پانچ حروف جو ایک بار آتے ہیں، پانچ حدودِ رُوحانی پر دلیل ہیں، جو بے بدل اور باقی ہیں، جیسے: اوّل، ثانی، جدّ، فتح اور خیال، اور وہ پانچ حروف جو اس میں دہرائے گئے ہیں پانچ حدودِ جسمانی پر دلیل ہیں، کہ ہر دَور میں ان کا مرتبہ جاری ہے، جیسے ناطق، اساس، امام، حُجّت اور لاحق (داعی) اور "بسم" کے تین حروف کا "اللہ" کے چار حروف سے پہلے آنا اس بات کی دلیل ہے، کہ تین فرع

یعنی لاحق، حُجّت اور امام ہی کے ذریعہ چار اصُولِ دین کی پہچان حاصل کی جا سکتی ہے، اور طہارت میں بھی تین سُنّتیں ہیں: وضو کرنا، کُلّی کرنا، اور ناک میں پانی لگانا، جو ان چار فرائض سے پہلے آتی ہیں: چہرہ دھونا، ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا، سر پر مسح کرنا، اور پاؤں پر مسح کرنا، اور بسم اللہ کے سات حروف کے بعد الرّحمٰن الرّحیم کے بارہ حروف اُن بارہ حُجّتوں پر دلیل ہیں، جو سات اماموں کے بعد ہیں، جو ان اماموں سے (رُوحانی) تائید حاصل کر کے لوگوں کو پہنچا دیا کرتے ہیں (اسی طرح تمام بسم اللہ کے) مجموعی حروف اُنیس (۱۹) ہوتے ہیں، جو بڑے دَور کے سات صاحبان اور اُن کے بارہ (مُشترکہ) حُجّتوں پر دلیل ہیں، کیونکہ ناطق اوّل سے ناطق آخر تک (بمع قائمؑ کے سات[1] ناطق) اور ان کے بارہ حُجّت، کُل اُنیّس[19] ہوتے ہیں۔

نیز (یہ اُنیّس حروف دلیل ہیں) چھوٹے دور کے سات اماموں، اور ان کے ان بارہ حُجّتوں پر، جو ان کے فرزندوں میں سے ہیں، کہ یہی لوگ اہلِ دوزخ پر یعنی نادانوں پر موکّل ہیں، تاکہ یہ موکّل ان نادانوں کو دوزخ سے چھُڑا دیا کریں، جبکہ اہلِ دوزخ فرمانبرداری کریں اور خُدائے تعالیٰ نے اِس آیت کے بموجب ان (اُنیّس حضرات) کی مثال

---

[1]: سات ناطق یہ ہیں: آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، مُوسیٰؑ، عیسیٰ، محمّدؐ اور قائمؑ (اساس التّاویل فٹ نوٹ ص۵۷ و متن ص۷۹)

مالکانِ دوزخ سے دی ہے، جو فرماتا ہے :-

"عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۷۴/۳۰ اُس (دوزخ) پر انیس ۱۹ فرشتے (موکّل) ہیں۔" اور خلائق کے نفوس کو حدّ قوّت سے حدّ فعل میں لانے کے لئے خُدائے تعالیٰ کی طرف سے یہی سات اور بارہ موکّل (کارکن) مقرّر ہیں، تاکہ خلائق (انہی کے ذریعہ) ابدی نعمتوں کو حاصل کر سکیں، جس طرح خلائق کے اجسام کی پرورش کے لئے سات سیّارے اور بارہ بروج موکّل ہیں، تاکہ وہ لوگ اس جہان کی چند روزہ نعمت کو حاصل کر سکیں، اور لوگ اپنے کاموں میں تسمیہ کے چار کلمات میں سے دو ۲ یعنی بسم اللہ پہلے پڑھا کرتے ہیں، جس کے دو ۲ سبب ہیں، ایک سبب یہ ہے، کہ یہ دونوں پہلے کلمے (بسم اور اللہ) دو ۲ حدّ جسمانی (ناطق اور اساس) پر دلیل ہیں، اور انسان کا کسی رُوحانی حد تک پہنچ جانا جسمانی حد ہی کے وسیلے سے ممکن ہو سکتا ہے، اور جسمانی ہم جنسیّت کے سبب سے اِنسان جسمانی حد کے ساتھ زیادہ آشنا ہو جاتا ہے، اور دُوسرا سبب یہ ہے کہ بسم اللہ کے یہ سات حروف جن سے یہ دونوں کلمے بنتے ہیں، سات بڑے ادوار کے صاحبان پر دلیل ہیں، کہ وہ خود تو آشکار ہیں، مگر ان کے (بارہ مشترکہ) حُجّت پوشیدہ ہیں، لیکن وہ مومنوں سے پوشیدہ نہیں ہیں، پس اِنسان ان سات حضرات کو ان بارہ حضرات کی بہ نسبت زیادہ پہچانتا ہے، جس طرح سات سیّاروں کو تو ہر شخص دیکھ سکتا

اور پہچان سکتا ہے، مگر بارہ بروج کو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے علم نجوم پڑھا ہے، دوسرے لوگ نہیں دیکھ سکتے ہیں، اور نہیں پہچان سکتے ہیں۔

نیز ہم یہ بیان کریں گے، کہ بسم اللہ (کا مطلب) خدا کا (ایک خاص) نام ہے، اور خدا کا (وہ) نام اپنے دور میں رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور اُن کے وصیؑ اپنے زمانے میں خدا کا (وہی) نام ہیں، اور امام زمانؑ ہر زمانے میں خدا کا (وہی حقیقی) نام ہیں، اس قول کی حقانیت پر دلیل یہ ہے، جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۶/۱۲۱

اور مت کھایا کرو، اِس چیز سے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو"

پھر جس چیز سے رسول علیہ السلام نے کھانے کے لئے نہ فرمایا ہو، اگر اس پر سو دفعہ خدا کا (کوئی لفظی) نام پڑھا جائے تو (پھر بھی) وہ چیز حلال نہ ہو سکے گی، پس خدا کا بزرگ ترین نام رسول علیہ السلام ہوئے، کیونکہ ان کے فرمان کے بموجب جو چیز حرام ٹھہرائی گئی وہ پھر خدا کے کوئی اور نام پڑھنے سے حلال نہ ہو سکی، اور جبکہ رسول علیہ السلام خدا کا (حقیقی) نام ہیں، تو رسول کے وہ فرزند جو آنحضرت کے فرمان کے بموجب حضور کے مقام پر قائم ہوتے ہیں، خدا کا وہی نام ہیں، اور قول و فعل میں سے جو کچھ وہ حلال ٹھہراتے ہیں، وہی حلال ہو جاتا ہے،

اور جو کچھ وہ حرام قرار دیتے ہیں، وہی حرام ہو جاتا ہے، اور مذکورہ بالا آیت (وَلَا تَاْكُلُوْ.....) کی تاویل یہ ہے (کہ خُدا وند تعالیٰ رمز کے طور پر فرماتا ہے) کہ تُم اُس شخص کو (حقیقی) عِلم کی باتیں نہ بتایا کرو، جس سے امامِ زمانؑ کا عہد نہ لیا گیا ہو، کیونکہ ذبح کرنے کی تاویل ہے، عہد لینا، اور کھانے کی تاویل ہے، عِلم حاصل کرنا، جس طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، کہ جس (ذبیحہ) پر خُدا کا نام نہ لیا گیا ہو، تم اُس سے مت کھایا کرو، اس سے خُدا تعالیٰ کی مُراد یہ ہے، کہ تُم (رُوحانی طور پر) اِس چیز سے مت کھایا کرو، جو خُدا کا نام یاد نہیں کرتی ہے، اور امامِ زمان ہر زمانے میں خُدا کا نام ہیں، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ جس شخص نے امامِ زمان کو نہ اپنایا ہو، اُس کو علمِ تاویل کی باتیں نہ بتایا کرو۔

نیز بتا دیا جاتا ہے، کہ رحمٰن خُدا کا ایک خاص نام ہے، جس کی حقیقت مخلوق کے لئے عام ہے، اور رحیم خُدا کا ایک عام نام ہے، جس کی حقیقت مخلوق کے لئے خاص ہے، اس قول کا مطلب یہ ہے، کہ رحمٰن خُدا کے سوا کسی اور کو نہیں کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ خُدا کا خاص نام ہے، اور اس کے معنی دُنیا میں روزی دینے والے کے ہیں، اور یہ حقیقت خُدا کی طرف سے تمام فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے لئے عام ہے، اور رحیم ایسا نام ہے، جو خُدا کو بھی کہا جاتا ہے، اور مخلوقات میں سے بخشش دینے والوں کو بھی، اور یہ عام نام ہُوا کرتا ہے، اور اس کے معنی (دُنیا میں) مخلوق

کے لئے خُدا کے بخشدینے اور معاف کر دینے کے ہیں، اور آخرت میں (خُدا کی یہ بخشش) خاص فرمانبرداروں کے لئے ہے، نہ کہ عام فرمانبرداروں کے لئے۔

حدیث میں یہ روایت آئی ہے، کہ قیامت کے روز دوزخ (شیر کی طرح) غُرّاتے گا، اور (اژدہے کی طرح) پھنکارے گا، جب رسُول مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف لائیں گے تو پانی کا ایک پیالہ ہاتھ میں لے کر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ لیں گے اور اس پانی پر دم فرمائیں گے اور اس پانی کو دفعتہً دوزخ پر ڈال دیں گے، تو فوراً آگ بجُھ کر اس کی آواز دھیمی ہو جائے گی خُدائے عزّوجل کے فرمان سے اس کو ندا آئے گی، کہ اے آتشِ دوزخ! تجھے کیا ہُوا کہ تُو خاموش ہوگئی اور دھیمی رہی، دوزخ جواب دے گا، کہ (یا ربّ!) تیرے نام کے مقابلے کے لئے میری کوئی طاقت نہیں۔

اِس حدیث کی تاویل یہ ہے، کہ خاندانِ حق کا دُشمن ہی دوزخ ہے، جو محض اپنے لوگوں کے سامنے غُرّاتا ہے، اور انہیں اپنی طاقت دکھاتا ہے، مگر جب حقیقت کے پانی سے (جو علمِ حق ہے) بقدر ایک پیالہ اس پر ڈال دیا جائے (تو وہ لاجواب ہو جاتا ہے) یعنی جب کوئی مستجیب (امام کا ایک عام مُرید) جو علمِ حق کے (سمندر کے) پانی سے پیالہ بھر پانی کی مثال ہے، اُس سے کوئی مسئلہ پُوچھا کرے، تو وہ عاجز ہو جاتا ہے، اور اس کی آواز دھیمی ہو جاتی ہے، اِس لئے کہ امام

زمان خُدا کا نام ہیں، اور مستجیب پانی کا وہ پیالہ ہے، جس پر خُدا کا نام پڑھا جاتا ہے، اور امام کے خاندان کا دُشمن جب دوزخ ہے تو وہ باطل ہی ہے، جب یہ پانی اس پر ڈال دیا جائے تو اس کی ساری قوّت کمزور ہو جائے گی، بِسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم کے بارے میں واضح اور صاف بیان یہی ہے، جس کا ذکر کیا گیا، اللہ تعالیٰ اپنے اسمِ اعظم کی قوّت سے دوزخ جہالت کے دروازے کو مومنوں سے (دور اور) بند رکھے! اور ہمیں توفیق عطا فرمائے!!

کلام - ۱۵

طہارت اور اس کے آداب کے بارے میں

ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان کر دیتے ہیں، کہ طہارت نماز کا دروازہ ہے جس طرح ایمان لانا دینِ اسلام کا دروازہ ہے (اور موجودات میں کوئی چیز ایسی نہیں، جس کا ظاہر اور باطن نہ ہو، پس جس طرح طہارت کا ظاہر ہے، اِسی طرح اس کا باطن بھی ہے) طہارت کا ظاہر (یہ ہے، کہ اس میں متعلقہ اعضاء کو) پانی سے دھولیا اور مسح کر لیا جاتا ہے، جبکہ پانی مل سکے، اور مٹّی سے تیمّم کر لیا جاتا ہے، جبکہ پانی حاصل نہ کیا جا سکے، طہارت کے باطن کا خلاصہ (دعوت قبول کرنے والے سے) امامِ زمان کا عہد لینا، اور خُدا کے اولیاء کے دُشمنوں سے بیزار ہو جانا ہے، اور نماز خُدا کے اولیاء کے ساتھ مل جانے پر دلیل ہے۔

طہارت پاک پانی کے بغیر جائز نہیں، اور پاک پانی علمِ بیان (تاویل) کی مثال ہے، جسم کی نجاست پانی سے دُھل جاتی ہے، اور جان

کی نجاست علمِ بیان سے دُھل جاتی ہے۔

نیز جس طرح ظاہری نماز طہارت کے بغیر جائز نہیں ہوسکتی، اِسی طرح عہد لئے بغیر کِسی کو علمِ حقیقت کی تعلیم دینا جائز نہیں، کیونکہ عہد لینا طہارت کا باطن اور علمِ حقیقت نماز کا باطن ہے، جسم کی نجاستیں، بول، براز، خُون، پیپ اور دُبر سے خارج ہونے والی ہوا سے واقع ہوتی ہیں، اور جان کی نجاستیں جہالت، نافرمانی، شرک، تشبیہ[1]، تعطیل[2] خُدا کے اولیاؑ کے دُشمنوں سے دوستی اور خُدا کے اولیاء کے دوستوں سے بیزاری ہیں۔

فصل (۱)

جس چیز کی وجہ سے طہارت واجب ہوتی ہے، وہ ایک ایسی نیند ہے جو انسان کی عقل کو مٹا دیتی ہے، یا اس چیز سے طہارت واجب ہوتی ہے، جو اگلے یا پچھلے مجرا سے نکل آتی ہے (اب سُن لو کہ نیند کی تاویل

---

[1]، [2]: فلسفیوں کی اصطلاح میں تشبیہ وہ عقیدہ ہے، جس میں خُداوند تعالےٰ کو کِسی چیز کے مانند قرار دیا جاتا ہے، اور تعطیل وہ عقیدہ ہے، جس میں یہ سمجھا جاتا ہے، کہ تخلیق کے کام میں خُدا وند تعالیٰ کی کوئی مداخلت ہی نہیں، نہ مخلوق کے ساتھ اس کی ذات کا کوئی رابطہ ہے۔

(از، فرہنگِ امیرِ کبیر)

کیا ہے، یا یہ کہ حقیقت میں نیند کسے کہتے ہیں، حکمت، علمِ حقیقت اور امامِ حق کی پہچان سے غفلت رہے تو یہی، تاویل میں نیند کہلاتی ہے، اور وہ بے شعور سویا ہوا شخص، جس کو دُنیا کی کوئی خبر ہی نہیں، اس شخص کا نمونہ ہے، جو سچّے دین کے راستے سے غافل رہتا ہے، اور جو چیزیں اگلے اور پچھلے مجرا سے نکل آتی ہیں، وہ دینی مخالفوں کے اعتقادات اور ان کے اپنے پلید نفوس ہی سے نکالی ہوئی بدعتوں کے نمونے ہیں، خواہ یہ چیزیں نادرست ظاہری طاعت کی وجہ سے ہوں، جو پچھلے مجرا کی مثال ہے، یا بے حقیقت تفسیر کے سبب سے، جو اگلے مجرا کی مثال ہے، پس جس شخص پر غفلت پڑی ہو تو وہ شخص یا تو جسمانی طور پر یا رُوحانی طور پر مخالفوں کی بدعت سے متاثر ہُوا ہوگا پھر اس پر واجب ہے، کہ علمِ حقیقت کے ذریعہ ان نجاستوں اور غفلتوں کو اپنے آپ سے دُور کر دے۔

فصل (۲)

رسُولِ مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا فرمان ہے: "لَا طَھَارَۃَ اِلَّا بِنِیَّۃَ، یعنی نیّت کے بغیر طہارت جائز نہیں۔" تو نیّت کی تاویل خاندانِ حق کی دوستی ہے، کیونکہ ان کی ولایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ہے - اور کوئی بھی عمل اُن کی ولایت کے بغیر مقبول ہو نہیں سکتا، اور جو شخص طہارت کی نیّت کرے، تو وہ اِس میں بسم اللہ

پڑھتا ہے (اور بسم اللہ خُدا کا نام ہے) اور خُدا کا حقیقی نام تو امامِ زمان ہیں، نیز وصی اور رسُول دونوں اپنے اپنے وقت میں خُدا کا حقیقی نام ہیں، کیونکہ اُنہی کے ذریعہ کسی کو خُدا کی پہچان ہو سکتی ہے، جس طرح چیزوں کی پہچان چیزوں کے ناموں ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور طہارت کرتے وقت مومن کا بسم اللہ پڑھ لینا اس کے اِس اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے (جس میں وہ سمجھتا ہے) کہ وہ خُدا کے ولی کے ذریعہ خُدا تک پہنچ سکتا ہے، تاکہ وہ اپنے آپ کو خُدا کے ولی کے دُشمنوں سے (بچا کر) خدا کے حضور میں پاک رکھ سکے۔

فصل (۳)

طہارت کا تعلق سات اعضا سے ہے، جن میں سے چار اعضا کی طہارت فریضہ ہے، جیسے: چہرہ دھونا، ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا سر پر مسح کرنا اور پیروں پر ٹخنوں تک مسح کرنا، یہ چار فریضے ناطق کی مثال ہیں، کیونکہ ان کے چار مرتبے ہیں، نبوّت، وصایت، امامت اور بابیّت اور تین اعضا کی طہارت سُنّت ہے، جیسے: وضو کرنا، کُلّی کرنا اور ناک میں پانی لگانا، یہ تین سُنّتیں اساس کی مثال ہیں، کیونکہ ان کے تین مرتبے ہیں، وصایت، امامت اور بابیّت، مگر ان کو نبوّت کا حِصّہ نہیں۔

طہارت کا آغاز سُنّتوں سے ہُوا کرتا ہے، اِس لئے کہ اساس

ہی کے ذریعہ ناطق کے بیان اور ان کی پہچان تک کسی کو رسائی ہو سکتی ہے۔

طہارت کی ترتیب یہ ہے، کہ سب سے پہلے ہاتھوں کو دھو لیا جاتا ہے، خواہ ہاتھ میلے ہُوئے ہوں یا صاف رہے ہوں، بہر حال ان کو دھو لینا چاہیئے، دایاں ہاتھ ناطق کی دلیل ہے، اور بایاں ہاتھ اساس کی دلیل ہے، اور دونوں ہاتھوں کو دھو لینے کی تاویل یہ ہے، کہ اگر مومن کو کسی ایسے طعنے کی وجہ سے، جو کسی مخالف نے دیا ہے، ناطق و اساس کے متعلق کوئی شک واقع ہُوا ہو، اور اس نے اس پر (کسی حد تک) باور بھی کیا ہو، تو سمجھ لو کہ وہ ان کے حق سے (کسی حد تک) منکر ہُوا ہے، پھر اس کو چاہیئے کہ اس سے باز آئے اور توبہ کرے (اور اگر اس نے توبہ کر لی) تو رُوحانی طور پر یہی اس کا ہاتھ دھونا ہے، پس مومن کا وہ اعتقاد، جو ناطق اور اساس کے بارے میں تھا، خواہ بگڑا ہو (یا نہ بگڑا ہو) مگر اس صُورت میں اس کو توبہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جس طرح (ظاہری طہارت کی مثال ہے، کہ) اگر ہاتھ میلے ہُوئے ہوں یا صاف رہے ہوں (بہر حال) ان کو دھو لینا چاہیئے، اور پانی کے برتن کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔

پانی کے برتن کو دائیں ہاتھ کی طرف رکھنا چاہیئے، پانی کا برتن داعی کی مثال ہے، اور اُس میں جو پانی ہے، وہ داعی کے علم کی مثال ہے، (دائیں ہاتھ ناطق کی مثال اور بائیں ہاتھ اساس کی مثال ہونے کے علاوہ)

دوسری وجہ سے دائیں ہاتھ داعی کی مثال ہے، اور بائیں ہاتھ مستجیب کی مثال ہے، اور دھوتے وقت دونوں ہاتھوں کا ایک دُوسرے سے لپٹ جانا، مستجیب فائدہ حاصل کرنے کے لئے داعی کے ساتھ مل جانے اور داعی فائدہ دینے کے لئے مستجیب کے ساتھ مل جانے کی مثال ہے، اور جس قدر بائیں ہاتھ دائیں ہاتھ کے اندر مَلتا جاتا ہے، اُس قدر دائیں ہاتھ اس کو پاک کر دیتا ہے، اس کی تاویل یہ ہے، کہ مستجیب داعی سے جس قدر پُوچھے تو داعی علمِ بیان کے ذریعہ اس کے نفس کو اس قدر پاک کر دیتا ہے۔

جب دونوں ہاتھ دُھل کر پاک ہو جائیں، تو دائیں ہاتھ پانی ڈالتا ہے، اور بائیں ہاتھ وُضو کی جگہ دھو لیتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ داعی تعلیم دیتا ہے، اور مستجیب یہ تعلیم حاصل کرتا ہے، اور اس علم کے ذریعہ وہ اپنی جان کو گُناہ کی نجاست اور نافرمانی کی آلائش سے دھویا کرتا ہے۔

ایک اور وجہ سے دائیں ہاتھ امام کی مثال ہے، اور بائیں ہاتھ حُجّت کی مثال ہے، اور پانی امام کے علم کی مثال ہے، اور حُجّت کو علم امام سے آتا ہے، جس طرح طہارت کے وقت بائیں ہاتھ کو پانی دائیں ہاتھ سے آتا رہتا ہے، اور حُجّت جو عہد مومن سے لیا کرتا ہے، وہی اُس مومن کی (رُوحانی) طہارت ہے، کیونکہ (اسی عہد کے ذریعہ) اس کی جان نافرمانی کی نجاست سے پاک ہو جاتی ہے۔

اگر بائیں ہاتھ میں کوئی درد ہے، تو دائیں ہاتھ سے طہارت کرلی جاتی ہے جس کی تاویل یہ ہے، کہ اگر امام نے کسی سبب سے حُجّت قائم نہیں کر دیا ہو تو وہ خود ہی عہد لیا کرتے ہیں۔

پاک ہو جانے کے لئے کوئی حد مقدر نہیں، کہ کس حد تک دھونا چاہیئے، جس کے معنی یہ ہیں، کہ یہ ظاہر نہیں، کہ مومن کے نفس کے لئے کتنا علم چاہیئے، تاکہ وہ اس تشبیہ و تعطیل سے پاک ہو، جو خدا کے اولیاؑ کے دشمنوں نے رکھی ہے۔

جب وضو کر لیا جائے تو ہاتھوں کو دوبارہ دھولیا جاتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ جب مومن علم حقیقت تک پہنچ جائے، تو اُسے اِس کی قدردانی کے لئے داعی کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، کہ اگر تیرا یہ علم نہ ہوتا، تو میں اُسی اگلی گمراہی میں رہ جاتا۔

اِس کے بعد دائیں ہاتھ سے تین دفعہ یا ایک دفعہ مُنہ میں پانی لگایا جاتا ہے، اِس کا اشارہ یہ ہے، کہ داعی یہ ظاہر کر دیتا ہے، کہ یہ علم، جو تُو نے مجھ سے سُنا، مجھ سے منسوب نہ کر، کیونکہ یہ علم مجھے حُجّت سے ملا ہے، اور حُجّت کو امامؑ سے ملا ہے، کیونکہ تین دفعہ کُلّی کرنا، ان تینوں حضرات کی مثال ہے۔

منہ حُجّت جزیرہ کی مثال ہے، اِس لئے کہ مُنہ جسمانی خوراک کا دروازہ ہے، اور حُجّتِ رُوحانی خوراک کا دروازہ ہے، اور امامؑ کا علم

لوگوں کو صاحبِ جزیرہ کے بغیر نہیں پہنچتا۔

مُنہ میں دانت ہوتے ہیں، اور وہ ان حدُود کی مثال ہیں، جو صاحبِ جزیرہ (حُجّت) کے تحت مقدّر ہوتے ہیں، اور مسواک کرنا، حُجّت کے اپنے داعیوں کو علم دینے کی مثال ہے، تاکہ وہ سب اس کی وجہ سے پاک اور نیک نام ہو جائیں، نیز جس طرح مسواک کرنے سے مُنہ صاف اور خُوشبُودار ہو جاتا ہے، اِسی طرح حُجّت اپنے داعیوں کی وجہ سے زیادہ پاک اور نیک نام ہو جاتا ہے۔

مُنہ میں زبان ہوتی ہے، یہ اُس داعی کی مثال ہے، جو حُجّت کے حلقہ، خاص میں رہتا ہے۔

اِس کے بعد ناک میں پانی لگایا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ داعی مستجیب کے لئے یہ ظاہر کر دیتا ہے، کہ جب تُو نے علم حُجّت سے سیکھ چکا تو اس کو حُجّت کی نسبت نہ دے، اور ایسا گمان نہ کر کہ یہ علم حُجّت کا ہے، بلکہ حُجّت کے علم کو امام سے منسُوب کر دے۔

ناک، امام کی مثال ہے، اور مُنہ حُجّت کی مثال ہے، مُنہ اور ناک سے حُجّت و امام کی مثال اس لئے دی گئی ہے، کہ حُجّت اور امام نفوس میں وہی کام کرتے ہیں جو کام مُنہ اور ناک انسانی جسم میں کرتی ہیں، اس لئے کہ اگر مُنہ اور ناک بند ہو جائیں تو انسانی جسم بگڑ جاتا ہے، اِسی طرح اگر حُجّت اور امام کا علم خلائق کے نفوس سے روک لیا جائے،

تو یہ سب نفوس مر جائیں گے (یعنی رُوحانی قسم کی موت ان پر واقع ہوگی)
اور وہ ابدی بہشت میں نہ پہنچ سکیں گے۔

مُنہ سے بولا جاتا ہے، اور ناک سے نہیں بولا جاتا، مگر وہ کافی دُور سے بو محسوس کر لیتی ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ حجت داعیوں اور لوگوں کو بات کے ذریعہ علم دیا کرتا ہے، مگر امام (علیہ السّلام) حُجّت کو امر[1] اور خیال[2] کے ذریعہ علم دیتا رہتا ہے۔

ناک سے مُنہ تک راستہ جاتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ امام سے حُجّت تک پوشیدہ تائید کا سلسلہ لگا ہُوا ہے۔

خواہ انسان سویا ہُوا ہو یا بیدار ہو، ناک برابر سانس لیتی رہتی ہے اور اس کو زندہ رکھتی ہے، اِس کا اشارہ یہ ہے کہ خواہ سارے لوگ حق سے آگاہ ہوں یا بے خبر ہوں، مگر امام (علیہ السّلام) متواتر و مسلسل اپنا کام کرتے رہتے ہیں، ہمیشہ لوگوں پر فیض برساتے ہیں اور ان کے نفوس کو زندہ رکھتے ہیں۔

---

[1]: امر سے کلماتِ تامّہ مُراد ہیں، جو علم و حکمت کے کلیدی اصُولات ہیں۔

[2]: خیال نورانی تصوّرات اور رُوحانی اشکال کو کہتے ہیں، امر و خیال کے ذریعہ کس طرح رُوحانی معجزاتی تعلیم دی جاتی ہے، اِس کا تفصیلی بیان ایک چھوٹی سی کتاب "درختِ طوبیٰ" میں آئے گا۔

مُنہ کا ایک ہی سُوراخ ہے، مگر ناک کے دو سُوراخ ہیں، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ امام کیلئے عِلم کا مادّہ دو اصلوں سے ہے، یعنی ناطق اور اساس سے، اور حُجّت کیلئے عِلم کا مادّہ امامؑ سے ہے۔

مذکورہ تین اعضاء کو طہارت کے شروع میں دھولینا سُنّت ہے یہ اِس بات کی دلیل ہے، کہ یہ تینوں گماشتے (یعنی داعی، حُجّت اور امامؑ) ان چار اصُول کی طرف سے ہیں، جن کی مثال طہارت کے چار فرائض سے دی گئی ہے۔

پہلے اِن تین سُنّتوں پر، پھر ان چار فرائض پر عمل کیا جاتا ہے، جس طرح (تسمیہ میں) پہلے "بسم" کے تین حُروف، پھر "اللہ" کے چار حروف پڑھے جاتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں، کہ مومن کو سب سے پہلے داعی کے مرتبے کا اقرار کر لینا چاہیئے، پھر حُجّت اور امامؑ کے مرتبے کا، کیونکہ جب تک تُم ان تینوں حدُود کو نہ پہچانو تب تک اُن چاروں اصُول کو نہیں پہچان سکو گے، اور دُنیا ان تینوں فروع سے ہرگز خالی نہ رہے گی۔

اس کے بعد مُنہ (چہرہ) دھولیا جاتا ہے، اور چہرہ ناطق کی مثال ہے جس کی تاویل یہ ہے، کہ جس طرح لوگوں کو ان کے چہروں سے پہچان لیا جاتا ہے اسی طرح دین کو ناطق کے ذریعہ پہچان لیا جاتا ہے۔

چہرے کے سوا باقی سارے اعضاء کو چُھپایا جاتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ناطق کے سوا باقی سب حدُود، دین میں چُھپے ہُوئے ہیں۔

تمام اعضاء چہرے ہی سے پہچانے جاتے ہیں (یعنی جب کسی

کے چہرے کے بغیر ہاتھ یا پاؤں ، وغیرہ نظر آئے ، تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کا ہے) جس کی تاویل یہ ہے ، کہ تمام علوی اور سفلی (یعنی رُوحانی اور جسمانی) حدُود کو ناطق ہی کے اشارے سے پہچانا جاتا ہے ، اِس لئے کہ وہ دین کا چہرہ ہے ۔

چہرہ چار حواس کا جامع ہے ، جیسے : باصرہ (دیکھنے کی حس) سامعہ (سُننے کی حس) شامّہ (سُونگھنے کی حس) اور ذائقہ (چکھنے کی حس) اس کے معنی یہ ہیں ، کہ خُدا تعالیٰ کی طرف سے ناطق علیہ السّلام کو چار بڑے مرتبے عطا ہُوتے ہیں ، چُنانچہ باصرہ مرتبۂ ناطق کی مثال ہے ، کہ اگر سامنے سے کوئی رکاوٹ نہ ہُوئی تو باصرہ مشرق سے مغرب تک دیکھ سکتا ہے ، اور سامعہ کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ، کیونکہ جس حد تک باصرہ دیکھ سکتا ہے اس حد تک سامعہ سُن نہیں سکتا اور سامعہ اساس کے مرتبے کی مثال ہے کیونکہ جس حد تک سامعہ سُن سکتا ہے اس حد تک شامّہ سونگھ نہیں سکتا ، اور شامّہ امام کے مرتبے کی مثال ہے (کیونکہ جس حد تک شامّہ سونگھ سکتا ہے ، اِس حد تک ذائقہ چکھ نہیں سکتا) اور ذائقہ حُجّت کے مرتبے کی مثال ہے ، کیونکہ جب تک تُم کسی چیز کو مُنہ میں نہ ڈالو ، تو اس کے ذائقے کو نہ سمجھو گے ، جس کی تاویل یہ ہے ، کہ ناطق ، اساس ،

اور امام کے لئے تائید حاصل ہے، جس کے ذریعہ وہ ان چیزوں تک پہنچ سکتے ہیں، جو ہنوز (اَب تک) ان کے پاس نہیں پہنچی ہوں، اور حُجّت کو یہ تائید حاصل نہیں، نیز اس مطلب کی تاویل، کہ جب تک اشیائے خوردنی میں سے کوئی چیز مُنہ میں نہ ڈالی جائے تو اس کا مزہ معلوم نہیں ہوتا، یہ ہے کہ جب تک حُجّت کِسی (قول و عمل کے) ظاہر کو نہ دیکھ پائے، تو وہ اس کی تاویل نہیں کر سکتا۔

ہاتھوں کو بازُوؤں (کہنیوں) تک دھونا اساس کی مثال ہے، اِس لئے کہ اِنسان قوّتِ بازُو سے کما کر پھر اپنے آپ پر خرچ کرتا ہے، اور بازُو ہی کی مدد سے جسم کو پاک کرتا ہے، جس کے معنی یہ ہوئے، کہ نفوسِ خلائق کی تخلیق میں جو کچھ حِکمت ہے، اس کا فائدہ اساس ہی کے ذریعہ مومنوں کے نفوس کو حاصل ہوتا ہے، اور مومنوں کی جانوں کی نجاست اساس ہی کے علم کے ذریعہ دُور ہو جاتی ہے۔

چہرہ ایک ہوتا ہے اور ہاتھ دو ہوتے ہیں جس کی تاویل یہ ہے، کہ ناطق ظاہر کی طرح علم ایک بار (ایک دفعہ) بتاتے ہیں اور اساس ظاہر اور اس کی تاویل دونوں بتاتے ہیں۔

پہلے مُنہ دھونا اور اس کے بعد بازُو دھونا فرض ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے ناطق کے ظاہر کے لئے اقرار کرنا اور اسے قبول کرنا چاہیئے، اِس کے بعد اس ظاہر سے اساس کی تاویل میں جانا چاہیئے،

چہرہ دھونے کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی، جس طرح ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کی حد مقرر کی گئی ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ ناطق نے حدود کو ظاہر نہیں کیا، اور ان کے بارے میں پوشیدہ طور پہ بتایا، اور اساس نے ان کو ظاہر کر کے مشہور کر دیا۔

سر کی دماغی طاقت چہرے میں جاری ہے، اور یہ طاقت اِن حواس کو پہنچتی رہتی ہے، جو چہرے میں ہیں، اگر یہ قوّت نہ ہوتی تو یہ حواس ناکارہ ہو جاتے، جس کی حقیقت یہ ہے، کہ ناطقوں، اساسوں، اماموں، اور حُجّتوں کے لئے تائید ثانی، یعنی نفسِ کُلّ سے مسلسل جاری ہے (جو موجودات کے) سر کا درجہ رکھتا ہے۔

دھوئے جانے والے اعضا سے فارغ ہو جانے کے بعد سر مسح کیا جاتا ہے، جس کا اشارہ یہ ہے، کہ جب مومن جسمانی حدود پہنچے تو اس پر یہ واجب ہو جاتا ہے، کہ ان حدود کو نفسِ کُلّ کی نسبت دے، کیونکہ ان کا قیام نفسِ کُلّ پر ہے۔

سر تمام اعضا سے برتر ہے، اس کے معنی یہ ہیں، کہ نفسِ کُلّ جسمانی حدود سے برتر ہے۔

مسح کرنا ہستی کے اقرار کا اشارہ ہے، اور دھونا فرمانبرداری، اور تابعداری کا اشارہ ہے، مسح اس لئے ہے، کہ جو اعضا جسمانی حدود کی مثال تھے، ان کو دھونے کے لئے فرمایا گیا، جس کے معنی یہ ہیں،

کہ جسمانی حدُود کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے، اور جو اعضاء رُوحانی حدُود کی مثال تھے، ان پر مسح کرنے کے لئے فرمایا گیا، جس کے معنی یہ ہیں، کہ انسان کی یہ طاقت نہیں، کہ کسی رُوحانی تک پہنچ سکے، مگر اس کی ہستی کے اقرار کے ذریعہ۔

سر بالوں میں چھُپا ہُوا ہے، جس کے معنی یہ ہیں، کہ نفسِ کُلّ پردے میں ہے، اور وہ بحقیقت پہچانا نہیں جاتا، مگر ان نظر آنے والی چیزوں کی دلائل سے۔

اس کے بعد پیروں پر مسح کیا جاتا ہے، جو عقلِ کُل کی ہستی کے اقرار کا اشارہ ہے۔

سر اور تمام اعضاء کو پیروں نے اُٹھا رکھا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ نفسِ کُلّ اور اس کے ماتحت حدُود کا قیام عقلِ کُلّ پر ہے، نہ کہ اُن کی اپنی ذات پر۔

پاؤں دو اور سر ایک ہے، جس طرح ہاتھ دو اور چہرہ ایک ہوتا ہے، اور پیروں کا مسح ٹخنوں تک محدُود ہے، جس طرح ہاتھوں کا دھونا کہنیوں تک محدُود ہوتا ہے، اور سر کے مسح کی کوئی حد نہیں ہوتی، جس طرح چہرہ دھونے کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے، چہرہ اور سر ناطق اور نفسِ کُلّ کی مثالیں ہیں، جو ایک تو صاحبِ تنزیل اور دُوسرا صاحبِ ترکیب (تخلیق) ہے، اور ترکیب و تنزیل ایک دُوسرے کے

مانند ہیں، اور صاحبِ تنزیل کا قول رمز و مثال میں غیر محدُود ہے، جس طرح چہرہ دھونا غیر محدُود ہوتا ہے، مگر یہ قول عقلِ کُلّ کے نزدیک محدُود ہے اور سر کا مسح غیر محدُود ہے، اِسی طرح ترکیبیں (تخلیقات) غیر محدُود ہیں، اور پاؤں کا مسح محدُود ہے (جس طرح رمز و مثال عقلِ کُلّ کے نزدیک محدُود ہوتی ہے، مگر اپنے طور پر) رمز و مثال نا محدُود ہے، اور ناطق و اساس کے لئے محدُود اور معلوم کر دی گئی ہے۔

ان سات اعضا کو دھونے اور اِن پر مسح کرنے کے یہ معنی ہیں، کہ مومن خُدائے تعالیٰ کو علم میں ان حدُود سے برتر سمجھے، جن کی مثال ان اعضا سے دی گئی ہے، اور وہ یہ کہے، کہ خُدا تعالیٰ کے ساتھ اس علم میں ان کی کوئی شرکت نہیں، بلکہ وہ خُدا کے بندے ہیں اور قائم کئے گئے ہیں، تاکہ علم ہاتھوں ہاتھ گزُار دیں اور مومنوں کی جان تک پہنچا دیا کریں۔

نیز جو دھوئے جانے والے اعضاء کو پہلے دھویا کرتے ہیں اور اُس کے بعد سر اور پاؤں کا مسح کرتے ہیں، اِس میں ناطق کی طرف سے یہ اشارہ ہے کہ پہلے میرے مرتبے کا اور میرے اساس کے مرتبے کا اقرار کریں، اور اس کے بعد عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کے مرتبے کا اقرار کیا جائے۔

فصل (۴)

ہم بتا دیتے ہیں، کہ رسُول مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پہلے عقلِ کُلّ

اور نفسِ کُلّ سے صحیح معنوں میں واقف نہیں تھے، اِس لئے آنحضرت نے ان کو محدود اور محسوس سمجھ لیا، پس اِسی سبب سے آنحضرت اپنے سر اور پیروں کو ان اعضا ہی کی طرح دھویا کرتے تھے، جن سے جسمانی حدُود کی مثال دی گئی ہے، جب ناطقیّت کا مرتبہ ان کے لئے مکمّل ہو چُکا، اور رُوحانی معراج کے طور پر نفسِ کُلّ کے آسمان پر راجع ہُوئے تو آنحضرت نے رُوحانی حدُود کو جیسا کہ ان کے پہچاننے کا حق تھا پہچان لیا، اِس کے بعد (ہر طہارت کے موقع پر) سر اور پیروں پر مسح کیا، اور اس سے اُمّت کے لئے یہ ظاہر کر دینا تھا، کہ یہ دو حدُود محسوس نہیں ہیں (اِس لئے صرف ان کی ہستی کا) اقرار کر لینا چاہیئے، پس ان کے وصی علیہ السّلام نے اس اشارے کی حقیقت کو سمجھ لیا، اور رسُول کی مُراد سے آگاہ ہُوئے، اور اُنہوں نے (بھی) اپنے سر اور پاؤں پر مسح کیا، اور ان کے مخالفین، جن کو اس حالت کی خبر نہ تھی اگلی حالت پر ہی ٹھہرے رہے اور اُنہوں نے یہ رائے و قیاس کیا، کہ اگر مسح جائز ہے، تو دھو لینا اس سے زیادہ مکمّل اور زیادہ صفائی بخش ہوگا۔

نیز، ہم بتا دیتے ہیں، کہ رسُول علیہ السّلام اپنی نبوّت کے آغاز میں موزے (جراب وغیرہ) اور پگڑی (کے ساتھ پاؤں اور سر) پر مسح کر لیا کرتے تھے، جبکہ دو اصل (عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ) کی تائید بذریعہ خیال (جبرائیل) ان کو نہیں پہنچی تھی، اور ان دو عظیم رُوحانی اصل کا حال ان سے پوشیدہ تھا، پس اِس لئے آنحضرت نے جراب اور پگڑی پر ہی مسح کر لیا، اور اس

سے یہ اشارہ فرمایا، کہ عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ مجھ سے پوشیدہ ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت سے پردہ کھول دیا اور رُوحانیوں کا حال اُن پر روشن کر دیا، چُنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

"لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۵۰/۲۲

آپ قبلاً اس واقعہ سے بے خبر تھے، اور ہم نے آپ پر سے آپ کا پردہ ہٹا دیا، تو آج آپ کی نگاہ بڑی تیز ہے"۔ پھر اس کے بعد آنحضرت نے ننگے سر پر اور ننگے پیروں پر مسح کیا، اور ان کے وصی نے اس حقیقتِ حال کو سمجھ لیا، اور ان کی یہ اشارت قبول کرتے ہوئے اُنہوں نے بھی پگڑی اور جرابوں پر مسح کرنا ترک کر دیا، اور حقیقی شیعوں نے ان کی پیروی کی، اور حق کے مخالفین پردے میں رہ گئے، اِس لئے کہ یہ صُورتِ حال ان سے پوشیدہ رہی، مگر رسُول کے وصی کے لئے روشن ہُوئی، آج وہ لوگ جو نہ تو عقلِ کُلّ کو پہچانتے ہیں اور نہ نفسِ کُلّ کو، لاعلاج وہ جراب اور پگڑی ہی پر مسح کر رہے ہیں، یہ اُن کی اپنی جہالت اور حق سے ناواقفیّت کا اقرار ہے اور حقیقی شیعے ننگے سر اور پاؤں پر مسح کر لیتے ہیں، جو اشارۃً یہ کہتے ہیں، کہ "حقیقتِ حال ہم سے پوشیدہ نہیں"۔ وہ اِسی وجہ سے جراب اور پگڑی پر مسح نہیں کرتے۔

فصل (۵)

جب کوئی شخص سویا ہُوا ہو اور نماز کا وقت آئے، تو وہ شخص جو بیدار ہے، اس سوئے ہوئے شخص کو ہلا کر جگا دیتا ہے، تاکہ وہ طہارت کر کے نماز کے لئے تیار ہو جائے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ نماز دعوتِ حق کی مثال ہے اور جگا دینے والا اُس شخص کی مثال ہے، جس کو حق سے کچھ آگاہی حاصل ہے، جیسے ماذون اور داعی، اور وہ بے شعور سویا ہُوا شخص جس کو دُنیا کی کوئی خبر ہی نہیں، اس شخص کی مثال ہے، جو دینی امُور سے غافل ہے، پھر ماذون پر واجب ہے، کہ ایسے غافل پر کوئی ایسی "کسَر" کر کے اس کو ہلا دیا کرے تاکہ وہ (خوابِ غفلت سے) جلدی اُٹھے، اور "کسَر" یہ ہے کہ کسی شخص کے باطل اعتقاد کے متعلق اس کو یہ اندیشہ پیدا کر دے، کہ میرا اعتقاد حق ہے یا نہیں، تاکہ وہ طلبِ حق کے لئے جلدی کرے، اور علم حقیقت تک رسا ہو سکے۔

کلام-۱۶

جنابت سے نہانے کے بارے میں

ہم خُدا تعالیٰ کی توفیق سے بیان کرتے ہیں، کہ جنابت سے نہانا جماع (کی ان صُورتوں) میں واجب ہو جاتا ہے: پُشت سے آب منی (اُچھلتے ہُوئے) اُتر جانے سے، اگرچہ مکمّل جماع واقع نہ ہُوا ہو، دونوں ختنہ گاہوں کے آپس میں مل جانے سے (یعنی فرج میں حشفہ داخل ہو جانے سے) اگرچہ انزال نہ ہو۔

لفظ "جنابت" کے معنی دُور ہونے کے ہیں، کیونکہ عرب والے دُوری کو "مجانبت" کہتے ہیں، اور بیگانہ (یعنی دُور والے) کو "اجنبی" کہتے ہیں، اور حقیقت میں (ان باتوں کی) تاویل یہ ہے کہ دعوتِ حق کے سلسلے میں بات کرنے والا شخص علم کو حق کے مالک (یعنی امامِ زمان) سے منسُوب کرتا ہے، اور اپنے آپ کو اس علم کے دعویٰ سے دُور کر دیتا ہے، جو بظاہر تو اُسی نے بتایا ہے۔ اور اس کا اپنے آپ کو دھونا یہی ہے

جب انسان سے ایک ایسے پانی کے خارج ہو جانے پر اپنے آپ کو دھونا واجب ہوتا ہے، جس سے اس جیسا شخص پیدا ہو سکتا ہے، تو اس کی تاویل یہ ہے، کہ جب انسان کی زبان سے ایسی بات نکلتی ہو، کہ جس سے رُوحانی تولید ہو سکتی ہے، اور لوگوں کے دل میں یہ بات نقش ہو جاتی ہے جس طرح نطفے سے جسمانی اور ظاہری قسم کی تولید ہُوا کرتی ہے، تو اس شخص پر واجب ہوتا ہے، کہ اپنے آپ کو اُس علمی بات کے دعویٰ سے دُور کر دے اور اس بات کو سات اماموں سے منسُوب کرے، پس اس کا رُوحانی طور پر اپنے آپ کو دھونا یہی ہے، جس طرح جسمانی مجامعت کے بعد اپنے آپ کو دھویا جاتا ہے، اور پانی کے ذریعہ سارے جسم کو پاک و صاف کیا جاتا ہے۔

حلال جماع کرنے والا اس شخص کی مثال ہے جو صاحبِ زمان کی اجازت سے دینی و علمی بات کرتا ہے، اور حرام جماع کرنے والا اس شخص کی مثال ہے، جو اس اجازت کے بغیر دینی بات کرتا ہے، اور جس کو احتلام ہوتا ہے، وہ اس شخص کی مثال ہے، جو بلاارادہ تاویل کی کوئی بات کر دیتا ہے، اس کے بعد وہ چونکتا ہے، کہ وہ تاویل کی بات تھی، تو اس پر ایسی بات کی وجہ سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا، لیکن ایسی علمی بات کو بھی امامؑ سے منسُوب کرنا چاہیئے، جس طرح خواب میں جماع کرنے والے کو بھی نہانا ضروری ہے، چُنانچہ رُوحانی مجامعت میں (یعنی

دعوتِ حق میں، علمی بات کرنے والا مرد کی طرح ہے، اور اس بات کو قبول کرنے والا عورت کی طرح ہے، اور دونوں پر جسمانی و رُوحانی جنابت میں نہانا واجب ہوتا ہے، اِس کی تاویل یہ ہے، کہ رُوحانی مجامعت میں دونوں کو چاہیئے، کہ اس کہی ہُوئی اور سُنی ہُوئی علمی بات کو امام سے منسُوب کریں، جس طرح جسمانی مجامعت میں مرد اور عورت نہایا کرتے ہیں، اور جماع کے بغیر انزال ہونے کی تاویل وہ بات ہے، جو کہی جاتی ہے، مگر سُننے والے کو اِس سے کوئی حقیقت نہیں کھُلتی، اور ان تمام وجُوہ سے رُوحانی طور پر نہانا واجب ہوتا ہے، اور حقیقی مومن وہ ہے، جو جسمانی اور رُوحانی جنابت میں نہانا اپنے آپ پر واجب سمجھتا ہے۔

کلام - ۱۷

مٹّی سے تیمّم کرنے کے بارے میں

ہم خُدائے تعالیٰ کی توفیق سے بیان کرتے ہیں ، کہ تیمّم وہ طہارت ہے جو مجبُوری کی حالت میں مٹّی سے کی جاتی ہے ، اور یہ دو اشخاص کے لئے جائز ہے ، اُس بیمار کے لئے جائز ہے ، جس کو پانی کے غسل سے جسمانی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہو اور اس مُسافر کے لئے جائز ہے ، جس کو پانی نہیں مِلتا ہو ، پس اگر یہ دو اشخاص تیمّم کریں تو روا ہے ، اور بیمار کی تاویل وہ کمزور مستجیب ہے جس کو کوئی با اجازت شخص نہیں مِلتا ، تاکہ یہ اس سے دینی تعلیم حاصل کرتا ، تو اس کے لئے جائز ہے ، کہ ان مومنوں سے عِلمی فائدہ حاصل کرے ، جو مطلق یعنی دعوت کرنے کے لئے آزاد نہیں ہُوئے ہیں ، اور اسی طرح اُس مُسافر کی تاویل ، جو اپنے لوگوں اور گھر سے جُدا ہُوا ہے ، وہ شخص ہے ، جو اپنے داعی اور حُجّت سے جُدا ہُوا ہے ، تو اس کے لئے

بھی جائز ہے کہ کسی پاکیزہ اعتقاد والے مومن سے علمی فائدہ حاصل کرتا رہے، یہاں تک کہ اس کو کوئی ایسا شخص مل جائے، جس کو تعلیم دینے کی اجازت حاصل ہے، پھر اس کو جائز نہیں کہ فرمان یافتہ شخص کے سوا کسی اور سے دینی تعلیم حاصل کرے، چنانچہ جب پانی مل جاتا ہے تو اس وقت مٹّی سے تیمّم نہیں کیا جاتا۔

پانی امام کے علم کی مثال ہے، اور مٹّی حُجّت کے علم کی مثال ہے، جبکہ امام کا علم حاضر نہ ہو، نیز پانی حُجّت کے علم کی مثال ہے، اور مٹّی داعی کے علم کی مثال ہے، جبکہ حُجّت حاضر نہ ہو، اسی طرح اس مثال کی واقعیّت یہاں تک آتی ہے، کہ جب ماذون حاضر نہ ہو، تو اس کے علم کی مثال پانی ہوگا، اور نا مطلق مومن کے علم کی مثال مٹّی ہوگی، کیونکہ مٹّی ہی پانی کے ساتھ مل سکتی ہے، اور علم کی مثال پانی سے دی گئی ہے، اِس لئے کہ علم کے ساتھ مومن کے سوا اور کوئی شخص مل نہیں سکتا، پس مومن کی مثال مٹّی ہے، کیا تو نہیں دیکھتا، کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے، قولہٗ تعالیٰ :-

"وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ۷۸/۴۰"

قیامت کے روز کافر کہے گا، کہ کاش میں خاک ہو جاتا"۔ اِس کی تاویل یہ ہے، کہ کافر خواہش کرے گا کہ کاش وہ اس روز اپنے آپ کو مومن پاتا! اور جو کوئی حُجّت کے بیان تک نہ پہنچ سکے، تو اس کا نفس بیمار ہے، پھر اس کے لئے جائز ہے، کہ داعی سے علم حاصل کرتا

رہے ہے۔

چُنانچہ تیمّم یہ ہے، کہ جس کو پانی نہ ملے، تو وہ پاک مٹّی کے پاس جاتا ہے، اور دونوں ہتھیلیوں کو صرف ایک ہی دفعہ مٹی پر مارتا ہے، پھر ہاتھوں کو (ایک دُوسرے پر مارکر) جھاڑ دیتا ہے، تاکہ ان سے مٹّی گر جائے، اِس کے بعد اُنگلیوں کے سروں کو اپنے چہرے پر بھَوؤں سے ٹھوڑی تک ایک بار مل کر گُزار دیتا ہے، اور اس کے بعد بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کی سیدھی طرف کو دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کی پُشت پر رکھ کر اُنگلیوں کو ابتدائی گانٹھوں سے اُنگلیوں کے سروں تک ایک بار ملتا ہے، پھر دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کی سیدھی طرف کو بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کی پُشت پر رکھ کر اُنگلیوں کی ابتدائی گانٹھوں سے اُنگلیوں کے سروں تک ایکبار ملتا ہے، بس یہی اس کا مکمّل تیمّم[1] ہے، جس کی تاویل یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے کا مٹّی کے پاس جانا، اُس بیمار کمزور مومن (جو اپنے صاحبِ دعوت سے جُدا اور نارسا ہُوا ہے) کے ایک پاکیزہ اور ناطق مومن کے پاس فائدہ حاصل کرنے کے لئے جانے کی مثال ہے، اور تیمّم کرتے وقت اُس شخص کا دونوں ہتھیلیوں کو ایک دفعہ مٹّی پر مارنا، امامِ اور حُجّت پر اس مومن کے اقرار کی دلیل ہے، اور ہاتھوں سے مٹّی کو جھاڑ دینا، اِس مومن ناطق کے بارے میں اس ضعیف مومن کے اعتقاد نہ کرنے کی مثال ہے، جس سے فائدہ حاصل کرتا ہے، کہ یہ علم جو مَیں سُن

---

[1]: تیمّم کا یہی طریقہ کتاب "دعائم الاسلام" اُردو جلد اوّل ص۲۰۱ پر مُلاحظہ ہو۔

رہا تھا، اس کا اپنا نہیں بلکہ اس فائدہ دینے والے نامطلق مومن کا یہ مرتبہ امام اور حُجّت کی طرف سے ہے، کیونکہ دعوتِ حق میں وہی حضرات مطلق ہیں، ہر چند کہ آج یہ شخص علمی فائدہ اسی نامطلق مومن سے حاصل کرتا ہے۔

تیمّم کرنے والے کے دونوں ہاتھوں کی آٹھ اُنگلیاں اپنے مُنہ پر اُوپر سے نیچے کی طرف ملنا، امام کے اُن چوبیس ۲۴ حدُود پر ضعیف مومن کا اقرار کرنا ہے، جو دن رات کے چوبیس ۲۴ گھنٹوں کی مثال ہیں، کیونکہ ہر ہاتھ میں (انگوٹھے کے بغیر) چار اُنگلیوں کی بارہ پوریاں ہوتی ہیں، جن کا مجموعہ چوبیس ۲۴ ہوتا ہے، اور چہرہ جس میں سات سُوراخ ہیں (جیسے دو ۲ آنکھ، دو ۲ کان دو نتھنے اور ایک مُنہ) سات صاحبانِ شریعت کی مثال ہے، اور اگرچہ مومن علمی طور پر کمزور ہے، تو پھر بھی اُن سات حدُود کو پہچاننے اور ان پر اقرار کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔

مسح کرنا اقرار کرنے کی مثال ہے، اور دھونا فرمانبرداری کی مثال ہے، ہاتھ اور مُنہ دونوں جو طہارت میں دھولئے جاتے تھے، وہ تیمّم میں مسح کئے گئے، اور دو مسح ساقط ہو گئے، یعنی سر اور پاؤں کا مسح، اِس کی تاویل یہ ہے، کہ کمزور مستجیب صاحبانِ تاویل کی بلاواسطہ فرمانبرداری نہیں کر سکتا ہے، جس طرح حُجّت اور داعی پر صرف امام، اساس اور ناطق کی فرمانبرداری اور اوّل و ثانی (عقلِ کُلّ و نفسِ کُلّ) کی ہستی کے متعلق اقرار واجب ہوتا ہے، (اِسی طرح) کمزور مستجیب پر

صاحبانِ تاویل کے متعلق صرف اقرار ہی واجب ہے، بلا واسطہ فرمانبرداری واجب نہیں، اور دونوں ہاتھوں کو ایک ہی دفعہ مٹی پر مارنا، اُس کمزور مومن کے لئے علمی فائدے کی وہی مقدار کافی ہونے کی دلیل ہے، جو دین کے ابتدائی مرتبے سے اس کو حاصل ہوتی ہے، اور وہ مرتبہ حدّ مومن ہے، اور کسی دُوسرے درجہ کی طرف نہ جانے کی دلیل ہے، جیسے داعی وغیرہ۔

یہی تیمّم طہارت بھی ہے، اور غسل جنابت بھی، جس کی تاویل یہ ہے، کہ علمی کمزوریوں کو پاک کرنے کے لئے صرف پاک نامطلق مومنوں ہی کا قول کافی ہوتا ہے، اور گندی مٹّی سے تیمّم کرنا جائز نہیں، اس کے یہ معنی ہیں کہ کمزور مومن کے لئے یہ شایان نہیں کہ وہ کسی ایسے مومن سے دینی باتیں سُنا کرے، جو خُدا کے اولیاء پر اعتقاد کرنے میں پاک نہ ہو۔ والسّلام

کلام - ۱۸

اذان کی تاویل کے بارے میں
جس کے دہرے کلمات ہیں

اذان اس دہرائی کے بغیر جائز نہیں، اِس لئے کہ یہ ناطق کی دعوت کی مثال ہے، جن کی قوّتیں دہری ہیں: ایک قوّتِ ظاہر، دُوسری قوّتِ باطن اور ایک قوّتِ تنزیل، دُوسری قوّتِ تاویل، اور جو شخص اقامت اِلٰہی (یعنی ایک بار) کہے، تو یہ اساس کی مرتبت کی مثال ہے، کیونکہ ان کی قوّت تو صرف تاویل ہی کی ہے اور جو شخص اقامت کو بھی دُہری کہتا ہے تو وہ یہ ظاہر کر دیتا ہے، کہ اساس تاویل کے کام جاننے کے ساتھ ساتھ ظاہر کو بھی اپناتے ہیں اور باطن کو بھی، اور مؤذّن ناطق کی مثال ہے، اور مؤذّن کی جگہ مینار پر ہونا، مرتبۂ ناطق کی بلندی کی مثال ہے، اور مسجد "بیت الاسلام" کے مکان کی مثال ہے، جو خُدا کا حرم خانہ ہے چُنانچہ

جو کوئی اسلام قبول کرتا ہے، تو وہ اس جہاں میں بے خوف ہو جاتا ہے، اور جب وہ اسلام کی حقیقت سمجھتا ہے، تو اُس جہان میں بھی نڈر ہو جاتا ہے، چُنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

"اَوَلَمْ نُمَکِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا" ۲۸/۵۷

کیا ہم نے انہیں حرم میں امن کی جگہ نہیں دی ہے"۔ یعنی ہم نے مُسلمانی امن کی جگہ بنائی ہے، تاکہ جو کوئی مُسلمان ہو جائے تو وہ مارے جانے اور فرونحت ہونے سے بچ سکے، اور اذان چھ دفعہ "اللّٰہُ اَکْبَرْ" ہے، چار دفعہ آغاز میں اور دو دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر اس کے ختم ہونے سے پہلے، اور وہ بارہ کلمے ہوتے ہیں، کیونکہ چھ کلمے "اللّٰہ" کے ہیں اور چھ کلمے "اَکْبَر" کے ہیں، اور چھ دُوسرے کلمے ہیں، جن میں سے ہر ایک دُو دُو دفعہ کہا جاتا ہے۔

چُنانچہ چار دفعہ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کے بعد یہ کلمات ہیں :) اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰه، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة، حَيَّ عَلَى الْفَلَاح، حَيَّ عَلَى الْفَلَاح، حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَل، حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَل

ے اَللّٰہُ اَکْبَرْ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

اسی طرح آخری کلمے کے سوا باقی سب کلمات دو دو دفعہ کہے جاتے ہیں، پس ان چھ کلموں کو مجموعاً بارہ دفعہ پڑھتے ہیں، جو چھ اماموں پر دلیل ہیں، کہ ان میں سے ہر ایک امام کا ایک باب ہے، جو دین میں ان کے بعد ان کا جانشین ہوا ہے، اور اُن میں سے ہر ایک امام خدا کے فرمان گزارتے وقت یکتا تھے، اور جو باب حق کے ساتھ امام کا جانشین ہوا، تو وہ ان کا حقیقی پیرو تھا، جس طرح یہ پچھلے چھ کلمات ان اگلے چھ کلمات کے پیچھے چلتے ہیں، اور ان کی پیروی کرتے ہیں (جس سے وہ اگلے کلمات ہی کی طرح ہو جاتے ہیں) اور وہ چھ بار اللہ اکبر، جس کو طاق میں نہیں کہتے ہیں، بلکہ جفت جفت میں کہتے ہیں، بارہ صاحبانِ جزائر (حجتوں) کی دلیل ہے، جن کو امامِ زمان کے بغیر اپنے آپ پر کوئی قیام نہیں، جبکہ وہ بیک وقت ظاہر و باطن کو برپا کرتے ہیں۔

قبلہ قائم القیامت علیہ افضل التحیۃ والسّلام کی دلیل ہے، اور جب مؤذّن اذان دینے لگتا ہے تو آغاز میں وہ قبلہ کی طرف مُنہ کر لیتا ہے،

اصلِ ہٰذا (یعنی وجہِ دین مطبوعہ کاویانی) میں "مُحَمَّدٌ وَعَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ" کا اضافہ ہے، مگر کلماتِ اذان کی مذکورہ گنتی اور اس کی تاویل سے ظاہر ہے کہ یہ کلمہ کسی نسّاخ نے از خود داخل کر دیا ہے۔

یعنی ناطق نے یہ ظاہر کیا کہ میری دعوت خلقِ خُدا کے لئے قائم القیامت کی طرف ہے، اور جب مُؤذّن "حی علی الصلواۃ" پر آئے تو دائیں ہاتھ کی طرف مُنہ کر لیتا ہے، اور جب "حیّ علی الفلاح" پر آئے تو بائیں ہاتھ کی طرف مُنہ کر لیتا ہے، دائیں ہاتھ ناطق کی مثال اور بائیں ہاتھ نیز دائیں ہاتھ امام کی مثال اور بائیں ہاتھ حجّت کی مثال ہے۔

جب مُؤذّن دائیں ہاتھ کی طرف مُنہ کر کے "حیّ علی الصّلواۃ" کہتا ہے، تو وہ یہ دکھاتا ہے کہ نمازِ ظاہر قائم کرتے ہُوئے ناطق اور امام کے لئے قبول کرو، کہ وہ ظاہر کے مالک ہیں، اور جب وہ بائیں ہاتھ کی طرف مُنہ کر کے "حیّ علی الفلاح" کہتا ہے، تو وہ یہ بتاتا ہے، کہ علمِ حقیقت حاصل کرتے ہُوئے اساس اور حُجّت کے لئے قبول کرو، کہ یہ باطن کے مالک ہیں، تاکہ تُم اِس جہاں میں دوزخ نادانی سے اور اُس جہان میں دائمی آگ کے عذاب سے بچ جاؤ، اور جائز نہیں، کہ مُؤذّن اذان کے درمیان بات کرے یا بے طہارت اذان دے، نیز روا نہیں کہ وہ اقامت کے درمیان بات کرے یا بے طہارت اقامت کہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ مومن کے لئے یہ روا نہیں، کہ وہ اہلِ ظاہر کے درمیان اپنے آپ کو ان کے برابر ظاہر کرے، یا صاحبِ جزیرہ کے فرمان کے بغیر کسی اہلِ ظاہر پر کسر کرے (یعنی اُس کے عقیدے کی تردید کرے) نیز مومن کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کسی دُوسرے مومن کو ایک درجے سے دُوسرے درجے پر بلند کر دینے کے لئے اِس پر کسر کرے، بغیر

اِس کے کہ اُس کو اُس صاحبِ جزیرہ سے کوئی حکم ملا ہو۔

اذان و اقامت نہیں کہتے ہیں، مگر اُن پنج نمازوں میں جن کو اللہ تعالےٰ نے "مُوَقّت و مکتوب" فرمایا ہے، یعنی تحریر کے ذریعہ وقت مُعیّن کیا گیا، یعنی کسی اور کے لئے فرمانبرداری کرنا جائز نہیں، مگر ناطقوں اور اساسوں کے لئے اور کسی دُوسرے کے لئے دعوت کرنا دُرست نہیں مگر انہیں کے لئے، کیونکہ ناطق کی دلیل اذان اور اساس کی دلیل اقامت ہے، اور ہر زمانہ میں امام ناطق کے قائم مقام ہیں، اور حُجّت اساس کا قائم مقام ہے، جب ناطق اور اساس یا ان کے قائم مقام ہمیشہ موجُود ہیں تو اذان اور اقامت بھی موجُود ہیں، اذان و اقامت مذکورہ پنج نمازوں کے سوا مناسب نہیں، اور نمازِ عیدین کے لئے اذان اور اقامت نہیں کیونکہ یہ دونوں عیدیں اساس اور قائم القیامت کی مثالیں ہیں، جس کی تاویل یہ ہے، کہ اساس لوگوں کو تقلید کے بندھن سے رہا کر دیں گے تاکہ اِن کے اس بیان کے بعد لوگ پھر گزشتہ پیغمبروں کے ادیان میں چلے نہ جائیں، جیسے کہ صاحبِ قیامت اُمّت کو دعوتِ ظاہر اور دعوتِ باطن سے روکیں گے، اِس لئے کہ وہ ظاہر ہوتے وقت دعوت نہیں کریں گے۔

جب اذان دی جائے تو لوگ ایک ایک ہوکر مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں، اور اقامت سے پیشتر ہر شخص (نفل وغیرہ کی) نماز

انفرادی طور پر پڑھا کرتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے کہ لوگ بکھرے ہوئے ادیان سے ناطق علیہ السّلام کی دعوت کی طرف آجائیں گے، اور جو شخص ہر چند کہ ناطق کے لئے قبول کرتا ہے، جب تک اساس کے لئے قبول نہ کرے، تو وہ اپنی خواہش ہی کا پیرو رہے گا، چُنانچہ اقامت سے پہلے ہر شخص اپنے طور پر طرح طرح کی نماز پڑھا کرتا ہے، اور وہ ان مخالفوں کی عبادت کی مثال ہے، جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔

اقامت وصی علیہ السّلام کی دعوت پر دلیل کرتی ہے، جو شریعت کی تاویل کی طرف ہوتی ہے، اور اقامت میں وہی مطلب دہرایا جاتا ہے جو کچھ اذان میں کہتے ہیں، جس کی تاویل یہ ہے، کہ وصی کی دعوت بھی اُسی حقیقت کی طرف ہُوا کرتی ہے، جس کی طرف ناطق کی دعوت ہُوئی تھی، اور اذان بلندی پر دی جاتی ہے، مگر اقامت پستی پر پڑھی جاتی ہے، یعنی وصی کا مرتبہ (بظاہر) اس بلندی پر نہیں جہاں پر ناطق کا مرتبہ ہے، اور اقامت میں "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" کے الفاظ بڑھا دیتے ہیں، جس کی تاویل یہ ہے، کہ خُدا کا دین اور اس کی طاعت ٹھیک طرح سے قائم ہُوئی، کیونکہ (ناطق اور وصی) دونوں کی یہ دعوتیں قبول کی گئیں، عمل کو علم کے ساتھ مِلا دیا گیا، مومنوں کے درمیان سے اختلاف اُٹھ گیا، اور خُدا کی طاعت میں سب کے سب یک زبان ہُوئے، چُنانچہ آپ کو معلوم ہے، کہ اقامت کہنے کے بعد نماز فریضہ پڑھا کرتے

ہیں، سب ٹھیک طرح سے صفوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں، (جُدا جُدا عبادت کرنے کا) اختلاف اِن کے درمیان سے دُور ہو جاتا ہے، اور جو کچھ پیش نماز کرتا ہے، وہی سب کرتے ہیں، تاکہ ظاہر و باطن دونوں برابر ہوں (یعنی نماز جو دعوت کا ظاہر ہے، اور دعوت جو نماز کا باطن ہے، ایک دُوسرے کی مثال و ممثول ہوں) چُنانچہ خُدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قولہ، تعالیٰ :-

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۵/۳

آج مَیں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا، اور تُم پر اپنی نعمت پُوری کر دی اور تمہارے (اِس) دین اسلام کو پسند کیا" اور یہ آیت اس وقت نازل ہُوئی جبکہ ناطق نے اپنے وصی کو مقرر فرمایا، اور مُسلمانوں نے عہد و پیمان کر لیا، کہ وہ اُن کی تابعداری کریں گے۔

کلام - ۱۹

کتاب الصلوٰۃ (نماز) کی تاویل کے بارے میں اور وہ چند فصلیں ہیں

پہلی فصل : ———— نماز کے بارے میں

نمازیں مجموعاً تین وجوہ سے ہیں، جو فریضہ، سُنّت اور تَطَوُّع کہلاتی ہیں، تَطَوُّع کو نافلہ بھی کہتے ہیں، اور نماز کی تاویل دعوت ہے (یعنی نماز کے حقیقی معنی دعوت کے ہیں) ان نمازوں میں سے نماز فریضہ مُتِم[1] (امام) پر دلیل ہے۔ جن کو پہچان لینا لوگوں کے لئے از حد ضروری ہے، نماز سُنّت حُجّت پر دلیل ہے، جس کو مُتِم نے مقرّر فرمایا ہے، اور نماز تَطَوُّع جناح

---

[1]: مُتِم سے یہاں امامِ زمان مُراد ہیں، نیز مُتِم کا مطلب ہے ہر ساتواں امام، جو چھوٹے دَور کو تمام کر دیتے ہیں، یعنی چھ ائمہ کے بعد جو ساتواں امام ہوتے ہیں، وہ مُتِم کہلاتے ہیں، اِس لئے کہ وہ ہفتۂ دین کا سنیچر ہیں، جن پر ہفتۂ دین تمام ہو جاتا ہے۔

یعنی داعی پر دلیل ہے، جو مومن کی تابعداری کے لئے اوّلین حد ہے، اور تطوّع کو نافلہ بھی کہا جاتا ہے، جس کا مطلب بیٹے کا بیٹا ہوتا ہے، جو ماذون پر دلیل ہے، کہ وہ داعی کا قائم مقام ہُوا کرتا ہے، جس طرح داعی اپنے باپ یعنی حُجّت کا جانشین ہو جاتا ہے، اور ان تین درجوں میں جو نو قسم کی نمازیں ہیں، وہ سات ائمّہ برحق، ناطق اور اساس کی دلیلیں ہیں۔

(نیز یہ نو نمازیں اِن نو حدُود کی دلیلیں ہیں) چُنانچہ نماز فریضہ امام کی دلیل ہے، سُنّت حُجّت کی دلیل ہے، نافلہ داعی کی دلیل ہے، نماز جُمعہ ناطق کی دلیل ہے، نماز عید الفطر اساس کی دلیل ہے، نماز عید اضحیٰ قائم قیامت علیہ افضل التّحیۃ والسّلام کی دلیل ہے، نمازِ جنازہ مستجیب کے ایک درجے سے دُوسرے درجے میں بڑھ جانے کی دلیل ہے، طلب بارش کی نماز خلیفہ[1] قائم کی دلیل ہے، جس کی بدولت عِلمی قحط سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ جس طرح بارش کے ذریعہ جسمی قحط سے رہائی مل جاتی ہے، اور نمازِ کسوف (جو سُورج گرہن یا چاند گرہن کے موقع پر پڑھی جاتی ہے) ایک ایسے وقت کی دعوت پر دلیل ہے، جس میں امام مستور ہوتا ہے۔

---

[1] : خلیفہ قائم کا اشارہ ایک ایسے شخص کی طرف ہے، جو زمین پر یا کسی نئے سیّارے پر حضرت قائم کا جانشین ہو گا، جس سے پھر وہی سلسلہ نبوّت و امامت جاری رہے گا۔

(اِن نَو نمازوں کے) بعد نمازِ خوف بھی فرض ہے، لیکن جب دُشمن کے خوف و ہراس سے نماز پڑھی جاتی ہے، تو وہ حالتِ امن کی نماز سے مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ نمازِ خوف ایک رکعت ہے، نمازِ مُسافر دو رکعت ہے، اور نمازِ حاضر پُوری (چار رکعت) ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ جب مومن اہلِ ظاہر کے درمیان ہو، اور ان سے ڈر جائے، تو وہ ظاہر کو صرف ایک ہی پہلو سے قائم کرتا ہے، اور امام کی فرمانبرداری اہلِ ظاہر کی طرح ظاہر میں کرتا ہے (یہ مختصر تاویل نمازِ خوف کی ہُوئی اب نمازِ مسافر کی کچھ تاویل سُنیئے، کہ) مُسافر اس مومن کی مثال ہے، جو ظاہر سے کچھ آگے بڑھا ہے اور حصُولِ باطن کے لئے اُس نے ابھی شروع کیا ہے، تو ایسے مومن کے لئے چاہیئے، کہ ناطق اور اساس کو پہچانے، کیونکہ ان کی مثال نماز کی وہ پہلی دو رکعتیں ہیں (جن کو مُسافر پڑھ لیتا ہے) اور اس مسافر پر اُن دُوسری دو رکعتوں کا پڑھنا واجب نہیں جو عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کی مثال ہیں، اس لئے کہ مذکورہ مومن نے ابھی رُوحانی حدود (عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ) کی معرفت حاصل نہیں کی ہے، (یہ مختصر تاویل نمازِ مسافر کی ہُوئی، اَب نمازِ حاضر کے بارے میں سنیئے کہ) جو شخص (مسافر نہ ہو) حاضر ہو، تو وہ اُس مخلص مومن کی مثال ہے، جو دعوتِ حق یعنی رُوحانی تعلیم میں ہے، جس نے مذکورہ رُوحانی اور جسمانی چاروں حدُود کی معرفت حاصل کر لی ہے، اور وہ ان میں سے دو رُوحانی حدُود کے لئے تو اقرار کرتا ہے اور دو جسمانی حدوں کی

فرمانبرداری کرتا ہے، (یہ نماز حاضر کی چار رکعتوں کی تاویل ہوئی)۔

فصل (۲) —— نماز کی حدُود کے بارے میں

رسُول مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا :-

"اِنَّ لِلصَّلٰوۃِ حُدُوْدًا کَحُدُوْدِ الدَّارِ فَمَنْ عَرَفَھَا وَاَدَّاھَا عَلٰی حَقِّھَا وَشَرْطِھَا فَقَدْ قَضٰیھَا وَاِلَّا نَقَضَھَا = یقیناً نماز کی حدُود (حد بندیاں ہیں) جس طرح گھر کی حدُود ہُوا کرتی ہیں، پس جس شخص نے ان حدُود کو پہچان لیا، اور نماز اس کے حق اور شرط پر ادا کرلی، تو اس نے نماز پُوری طرح سے ادا کرلی، ورنہ نماز توڑ دی۔"

پس ہم بیان کریں گے، کہ نماز کی وہ حد بندیاں سات ائمّہ اور سات نقطہ کی تعداد کی برابر سات ہیں، ان میں سے چار تو فریضے ہیں، جن کے بغیر نماز مکمّل ہو نہیں سکتی اور تین سُنّتیں ہیں، جن کے بغیر نماز روا نہیں، پس ان چار فرائض میں سے دو خُدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور وہ وقت اور قبلہ ہیں، وقت نفسِ کُلّ پر دلیل ہے، جس نے زمانہ پیدا کیا ہے، اور قبلہ عقلِ کُلّ پر دلیل ہے، کیونکہ مخلوقات کے لئے انتہا تو وہی ہے، اور ان چار فرائض میں سے دو بندے کی طرف سے ہیں، وہ نیّت اور طہارت ہیں، نیّت ناطق پر دلیل ہے اور طہارت اساس پر دلیل ہے، اور نماز ہو نہیں سکتی، مگر

اپنے اس ظاہر و باطن کے ساتھ جس کو ناطق اور اساس نے عقلِ کُلّ و نفسِ کُلّ کی تائید سے مقرر کر دیا ہے، یعنی ناطق نے نماز کے ظاہر کو نفسِ کُلّ کی قوّت سے مقرّر کر دیا، اور اساس نے نماز کے باطن (تاویل) کو عقلِ کُلّ کی تائید سے بیان میں لایا، اور وہ تین سُنّتیں اذان، اقامت اور جماعت ہیں، اذان مُتِم (امام) پر دلیل ہے، جو لوگوں کو ظاہر کی طرف دعوت کرتا ہے، اقامت حُجّت پر دلیل ہے، جو باطن کو قائم رکھتا ہے، اور جماعت داعی پر دلیل ہے، کہ مومنوں کا جمع ہونا اُسی کے ذریعہ سے ہے، مگر بیمار اور مُسافر کے لئے یہ تین سُنّتیں لازمی نہیں، اور ان کی نماز ان سُنّتوں کے بغیر روا ہے[1]

فصل (۳) ـــــ نماز کے فرائض کے بارے میں

جاننا چاہیئے، کہ سات اماموں کی مثال پر نماز کی سات چیزیں فرض ہیں (۱) شروع کی تکبیر فرض ہے، اور وہ مومن سے عہد لینے کی دلیل ہے،

---

[1] : بڑے دَور کے نُطقا سات ہیں، چھوٹے دَور کے ائمّہ بھی سات ہیں، حدود دین بھی سات ہیں، اور نماز کی حدُود بھی سات ہیں، چُنانچہ حدُود دین اور نماز کی حدُود کی مطابقت یہ ہُوئی :-

عقلِ کُلّ	نفسِ کُلّ	ناطق	اساس	امام
قبلہ	وقت	نیّت	طہارت	اذان

حُجّت	داعی
اقامت	جماعت

چنانچہ جب تکبیر پڑھی جائے، تو پھر بات نہیں کرنی چاہیئے، اور نماز پڑھنی چاہیئے
اسی طرح جب مومن سے عہد لیا جائے، تو پھر اسے دین کے بارے میں بات
نہیں کرنی چاہیئے، جب تک اس کو آزادی نہیں دی جاتی، (۲) سیدھا
کھڑا ہونا فرض ہے، جو دعوت پر مومن کے قائم رہنے کی دلیل ہے (۳)
فاتحہ اور دُوسرا کوئی سورہ پڑھنا فرض ہے، جس کی تاویل داعی کی تقریر ہے،
جو قوم کے لئے کی جاتی ہے (۴) رکوع فرض ہے، جس کی تاویل ہے بڑے
دَور میں اساس کو پہچاننا اور چھوٹے دَور میں حُجّت کو پہچاننا (۵) سجدہ کرنا
فرض ہے، جس کا اشارہ ہے، بڑے دَور میں ناطق کو پہچاننا اور چھوٹے
دَور میں امام کو پہچاننا (۶) تشہّد کے لئے بیٹھ جانا فرض ہے، جو داعی
کو پہچاننے کی دلیل ہے (۷) سلام پھیرنا فرض ہے، اور وہ مثال
ہے مومن کو اجازت ملنے کی دینی باتیں کرنے کے لئے، چنانچہ جب
نماز پڑھی جائے اور سلام پھیرا جائے، تو نمازی جو چاہے بات کر سکتا
ہے۔

جب نمازی نماز پڑھ لیتا ہے، اور ان سات فرائض کو بجا
لاتا ہے، تو اُس کی نماز مکمّل ہو جاتی ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ جب
مستجیب نے ان حدُود کی معرفت حاصل کر لی، تو وہ ماذونی کے درجے
پر پہنچا اور (دعوت کی) اجازت دی جانے کے قابل ہوُا۔

نماز کے سات فرائض	سات ائمہؑ	تاویل
تکبیر اوّل	امامِ اوّل	مومن سے عہد لینا
سیدھا کھڑا ہونا	امامِ دوم	دعوت پر مومن کا قائم رہنا
فاتحہ اور سورہ پڑھنا	امامِ سوم	قوم کے لئے داعی کی تقدیر
رکوع کرنا	امامِ چہارم	اساس اور حُجّت کی پہچان
سجدہ کرنا	امامِ پنجم	ناطق اور امام کی معرفت
تشہّد کیلئے بیٹھ جانا	امامِ ششم	داعی کی شناخت
سلام پھیرنا	امامِ ہفتم	مومن کو دینی باتوں کیلئے اجازت ملنا

فصل (۴) —— نماز کی سُنّتوں کے بارے میں

جاننا چاہیئے، کہ نماز میں بارہ چیزیں سُنّت ہیں، اور ان کو نماز کے آداب کہا جاتا ہے (۱) سر جُھکائے رکھنا سُنّت ہے، اور یہ اپنے داعی کے سامنے مستجیب کے تکبّر نہ کرنے کی دلیل ہے (۲) سجدے کی جگہ پر نظر جمانا سُنّت ہے، جس کا اشارہ ہے، اپنے داعی کے فرمان کے واسطے مستجیب کا اِنتظار کرنا (۳) دائیں بائیں طرف نہ دیکھنا

سُنّت ہے، جس کی تاویل ہے دینی دشمنوں اور منافقوں کی طرف مستجیب کا نہ دیکھنا (۴) نماز میں نہ ہنسنا سُنّت ہے اگرچہ ہنسی تھوڑی سی ہو، جس کی تاویل ہے، مستجیب کا کوئی دینی بیان نہ کرنا، جب تک وہ مستجیبی کی حد میں ہے، کیونکہ جب نمازی ہنسے، تو اس کے دانت نظر آتے ہیں، جو بات کرنے کی مثال ہوتی ہے (۵) نماز میں انگلیوں کو نہ چٹخانا سُنّت ہے، اور وہ دعوت کے حدُود کو طعنہ نہ دینے کی دلیل ہے، کیونکہ اُنگلیاں حدُود کی مثال ہیں (۶) ڈاڑھی کے ساتھ نہ کھیلنا سُنّت ہے، اور وہ رُوحانی مجامعت نہ کرنے کی دلیل ہے (یعنی دینی تعلیم نہ دینے کی) جب تک اجازت نہ مل جائے (۷) تشہّد میں ہاتھ پاؤں کی اُنگلیوں کے سروں کو قبلے کی طرف رکھنا سُنّت ہے، جو تمام حدُود امام کی طرف رُخ کر کے رہنے کی مثال ہے (۸) پیروں کو ایک جگہ پر رکھنا سُنّت ہے جو حُجّت اور داعی کے درمیان جُدائی نہ رکھنے کی مثال ہے، چونکہ دونوں پاؤں اِن کی دلیل ہیں، اور مومن کے نفس کا قیام اِنہی پر ہے۔ جس طرح جسم کا قیام پاؤں پر ہُوا کرتا ہے (۹) صف میں اپنے ساتھی کے پہلو بہ پہلو ہو کر قریب رہنا سُنّت ہے، تاکہ ان کے درمیان شیطان گھُس آنے کی جگہ نہ پائی جائے، جس کی تاویل ہے، مومنوں کی باہمی موافقت اور ان کا یک دل ہونا، تاکہ دُشمن کو ان کے بیچ میں گھُس آنے کی گنجائش ہی نہ ہو (۱۰) التّحیات کے موقع پر بائیں پاؤں پر بیٹھ جانا سُنّت ہے، جس کا اشارہ ہے، داعی کے قول پر مستجیب

کا قائم رہنا، کیونکہ بائیں پاؤں داعی کی مثال ہے (۱۱) حالتِ رکوع میں انگلیاں کھول کر گھٹنوں پر رکھنا سُنّت ہے، جس کا اشارہ نمازی کے ذریعہ یہ کیا گیا ہے، کہ اساس (کے مرکز) سے حدُودِ دین (رُوحانی طور پر) جزیروں میں جا کر پھیل گئے، کیونکہ رکوع اساس کی حد ہے اور اس کی تاویل یہ بھی ہے، کہ حُجّت کی جانب سے تمام داعی دعوت کے سلسلے میں پھیل گئے، کیونکہ چھوٹے دَور میں حُجّت ہی بڑے دَور کے اساس کی منزلت پر ہوتا ہے (۱۲) سجُود کے موقع پر اُنگلیاں ملا کر زمین پر رکھنا سُنّت ہے، جس کی تاویل ہے شریعت کے ظاہر بیان کرنے کے لئے عالم میں حدُودِ دین کا پھیل نہ جانا، جس طرح حدودِ دین دعوتِ باطن کے لئے (رُوحانی طور پر) پھیل جایا کرتے ہیں، کیونکہ ظاہر ناطق اور امام کی حد ہے، اور سجُود ان کے حدُود کی دلیل ہے (اور باطن اساس اور حُجّت کی حد ہے، اور رکوع اِن کے حدُود کی دلیل ہے)۔

فصل (۵) ——— خضوع کے بارے میں

ہم بیان کرتے ہیں، کہ خضوع (عاجزی کرنا) تین صُورتوں میں ہے، ایک تو نماز کے لئے کھڑا ہونے میں ہے، جس میں نماز پڑھنے والا یہ خضوع کرتا ہے، کہ نظر اس جگہ پر رکھتا، جہاں پر وہ سجدہ کرنے والا ہے، اور دائیں بائیں نہیں دیکھا کرتا، اور اس کی تاویل ہے، مومن کا سرِ تسلیم خم کرنا، اپنے اُس رہنما کے لئے جو اس کو حق کی طرف لے جاتا ہے، اور حق کے

مخالفوں کی طرف نہ دیکھنا، نماز گذار کا دُوسرا خضوع رکوع ہی ہے، کہ وہ اس کے اپنے آپ کو (کسی کے آگے) چھوڑ رکھنے کی صُورت ہے، اور جس کی تاویل ہے، مومن کا اپنے آپ کو بڑے دَور میں اساس کے حوالے کر دینا اور چھوٹے دَور میں حُجّتِ جزیرہ کے حوالے کر دینا، کیونکہ رکوع اساس اور حُجّت کی مرتبت ہے، اور نماز پڑھنے والے کا تیسرا خضوع سجدہ کرنا ہے، جس کا اشارہ ہے مومن کا سرِ تسلیم خم کرنا، چھوٹے دَور میں امام کے لئے اور بڑے دَور میں ناطق کے لئے، اور یہ انتہائی حد کی عاجزی (خضوع) ہے، کہ تو اپنے آپ کو مٹی کے ساتھ برابر کر دے۔

نیز میں بیان کروں گا، کہ جب مومن سجدہ کرتا ہے، تو وہ یہ ظاہر کرتا ہے، کہ میں پہلے اپنے جسم کے اعتبار سے مٹّی تھا، نیز وہ یہ ظاہر کرتا ہے، کہ میں نے پہلے تو ناطق کا فرمان مان لیا، کیونکہ سجدے کی منزلت اُن ہی کی ہے، اور جب سجدے سے سر اُٹھاتا ہے، تو سیدھا ہو کر بیٹھتا ہے، (جس سے وہ گویا یہ کہہ رہا ہے) کہ خُدائے تعالیٰ نے مجھے مٹّی (کے پست درجے) سے اُٹھا کر انسان بنایا، نیز وہ یہ ظاہر کرتا ہے، کہ جب اساس نے (ناطق کی دعوت کے بعد) مجھے پھر دعوت کی، تب میں نے ان کو پہچان کر ناطق کو صحیح معنوں میں پہچان لیا، جب وہ دُوسری دفعہ سجدہ کرتا ہے، تو یہ ظاہر کرتا ہے، کہ میں جسم کے اعتبار سے طبعی (جسمانی) زندگی کے بعد جسمانی موت کی صُورت میں مٹّی میں واپس جاؤں گا، نیز وہ

یہ ظاہر کرتا ہے، کہ جب اساس نے مجھے ناطق کے عظیم مرتبے سے شناسا کر دیا، تو میں نے (صحیح معنوں میں) ناطق کی فرمانبرداری کے لئے رجوع کیا، جب آخری دفعہ سجدے سے سر اُٹھاتا ہے، تو وہ یہ ظاہر کرتا ہے، کہ جسمانی موت کے بعد مجھے جی اُٹھنا ہے، نیز یہ ظاہر کرتا ہے، کہ جب میں نے ناطق کو معرفتِ حق سے پہچان لیا، تو میں فنا ہونے سے بچ گیا، اور (ہمیشہ کے لئے) زندہ رہا۔

فصل (۶) ـــــ نماز کے اوقات کے بارے میں

(اَب) میں یہ بیان کروں گا، کہ ہر نماز کے لئے تین اوقات مقرر ہیں (یعنی ہر نماز کے لئے جتنا وقت رکھا گیا ہے، وہ تین حِصّوں میں پایا جاتا ہے) مقرّرہ مُدّت کا ابتدائی وقت، درمیانی وقت اور آخری وقت، پس ابتدائی وقت کی تاویل ناطق ہیں، درمیانی وقت کی تاویل اساس ہیں، اور آخری وقت کی تاویل قائمِ قیامت علیہ افضل التّحیۃ والسّلام ہیں، پس جس شخص سے یہ آخری وقت (نماز پڑھے بغیر) گذر جائے تو پھر اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے یعنی جو شخص امام ہفتم کے ظہور تک حق کو حاصل نہ کر سکے، تو اس کو دین نہ ملے گا، اور دُوسری وجہ سے ابتدائی وقت کی تاویل داعی ہے، جو مومن کے لئے ابتدائی حدّ ہے، درمیانی وقت کی تاویل حُجّت ہے، اور آخری وقت کی تاویل امام ہیں۔

فصل (۷)، نمازوں کو ملا کر پڑھنے کے بارے میں

جو شخص (سفر پر نہ ہو) حاضر ہو تو وہ ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھا کرتا ہے، مگر مسافر نمازِ پیشین (ظہر) کو نمازِ دیگر (عصر) کے ساتھ ملا دیتا ہے، اور نمازِ شام (مغرب) کو نمازِ خفتن (عشا) کے ساتھ ملا دیتا ہے، چنانچہ حاضر رُوحانی دعوت والے کی مثال ہے، جو مومنوں کو حدُود کے مراتب بیان کر دیتا ہے، اور مومن ہر ایک حد کی مرتبت کو پہچان لیتا ہے، جس طرح کوئی شخص اپنے اوقات ہی پر نمازیں پڑھا کرتا ہے، اور مسافر اس شخص کی مثال ہے، جو ظاہریّت ہی پر ہے، جو (ذہنی طور پر) ایک مذہب سے دُوسرے مذہب میں گشت لگاتا ہے، مُسافر کی طرح، جو ایک منزل سے دُوسری منزل میں چلا جاتا ہے، ایسے شخص کو منزلتِ ناطق اور منزلتِ اساس ایک ساتھ بتا دیتے ہیں، جب دو نمازیں ملا کر پڑھی جاتی ہیں، تو اس میں ایک ہی اذان دیتے ہیں، مگر اقامتیں دو پڑھتے ہیں، ایک اذان کا مطلب ناطق کی دعوت ہے، کیونکہ اذان کی تاویل یہی ہے، اور دو اقامتوں کی تاویل ہے، اساس کی دعوت اور قائم القیامت (کی قربت) اور اساس کی دعوت تو ظہورِ قائم سے پیشتر کسی کو مفید ہو سکتی ہے۔

جاننا چاہیئے، کہ نماز کی بنیاد ان دو چیزوں پر ہے، ایک تو اذان ہے، جو ناطق کی دعوت کی مثال ہے، دُوسری اقامت ہے، جو اساس کی دعوت

کی تاویل ہے، یعنی دعوت ناطق کی ہے، اِسی لئے اساس کی دعوت بھی انہی کی طرف ہے، جب نماز پیشین کے وقت کا آخری حِصّہ گزر جائے اور نماز دیگر کے وقت کا پہلا حِصّہ آئے تو دونوں نمازیں ملاکر پڑھی جاتی ہیں جس کی تاویل یہ ہے، کہ جو شخص پُوری طرح سے ناطق کی شریعت میں داخل ہو چکا ہو تب اس پر باطن کے بارے میں کسر کی جا سکتی ہے (یعنی سوال کے ذریعہ شریعت کے باطنی پہلو کی اہمیّت ظاہر کی جا سکتی ہے) تاکہ یہ واجب ہو کہ وہ شخص پہلے تو ناطق کی شریعت کو اپنائے اور اس کے بعد اساس کی دعوت (تاویل) کو قبول کرے، جس کی مثال نماز پیشین کو نماز دیگر کے ساتھ ملا دینے سے دی گئی ہے، اور اس نماز کو نماز دیگر اس لئے کہتے ہیں، کہ اس کے بعد دُوسری (دیگر) نماز یعنی نافلہ نہیں پڑھی جاتی ہے، کیونکہ اساس کی دعوت کے بعد کسی اور کی دعوت نہیں، اور جب نمازِ شام کے وقت کا آخری حِصّہ گزر جائے اور نماز خفتن کے وقت کا پہلا حِصّہ آئے تو نمازِ شام کو نماز خفتن کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں، جس کی تاویل یہ ہے، کہ نماز شام نفسِ کُلّ کی مثال ہے اور نماز خفتن امام کی مثال ہے، چُنانچہ اگر کسی شخص کو اساس کی دعوت جو اُنہوں نے نفسِ کُلّ کی تائید سے کی تھی معلوم نہ ہو، اور اس نے صرف امامِ زمان کی دعوت قبول کر لی ہو، تو اس پر یہ اقرار کرنا واجب ہے، کہ امامِ زمان کو اساس کی وساطت سے نفسِ کُلّ کی تائید حاصل ہے، جس کی مثال نماز شام کو نماز خفتن کے ساتھ ملا دینے سے دی گئی ہے، اور جس شخص کو دو نمازیں

ملانا پڑیں، تو وہ ان دونوں نمازوں کے درمیان ستّر تسبیح پڑھتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں، کہ جو شخص ناطق، اساس، امام اور حُجّت کی حدُود کو پہچان لیتا ہو تو اس نے گویا دعوتِ ظاہر اور دعوتِ باطن کو ایک دُوسرے کے ساتھ ملا دی ہے، پس وہ اِن دعوتوں کے ظاہر و باطن کے درمیان ستّر تسبیح کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتا ہے، یعنی وہ ان دونوں دعوتوں کو سات ائمہ برحق کے بیان کے ذریعہ جُدا جُدا پہچان سکتا ہے (کیونکہ ستّر کے سات عقد ہوتے ہیں)۔

جس شخص کے لئے ایسی کوئی نماز کا وقت گزر جائے، اور دُوسری نماز کا وقت آئے تو وہ پہلے پیش آمدہ نماز پڑھ لیتا ہے، اس کے بعد نماز قضا پڑھتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ جو شخص حدودِ دین میں سے ایک حد کو نہ پہچانے اور اس کے بعد کے حدُود کو پہچانے، تو اس پر واجب ہے، اس گزشتہ حد کے لئے اقرار کرنا، اور اپنے زمانے والے حد کی فرمانبرداری کرنا، اور جُمعہ کے روز حضر و سفر دونوں حالتوں میں نمازِ پیشین کو نماز دیگر کے ساتھ ملا کر پڑھی جاتی ہے، سفر کی تاویل ہے ظاہر حضر کی تاویل ہے باطن، روز جُمعہ دلیل ہے حدّ ہفتم کی، نماز پیشین دلیل ہے ناطق کی اور نماز دیگر دلیل ہے اساس کی، اس کے یہ معنی ہُوئے، کہ اساس کا مرتبہ حد ہفتم یعنی قائم ظاہر ہوتے وقت اہلِ ظاہر و باطن کے لئے نمایاں ہوگا، جس طرح ناطق کا مرتبہ قائم کے ظہور سے پہلے ہی اہلِ ظاہر و باطن پر پُوری طرح سے نمایاں ہو چکا ہے، اور یہ حدیث امام جعفر صادق

علیہ السّلام سے روایت کی گئی ہے، کہ فرمایا:۔ " وَقْتُ صَلوٰۃِ الْعَصْرِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ وَقْتُ صَلوٰۃِ الظُّہْرِ = جُمعہ کے روز نمازِ دیگر کا وقت ہی نمازِ پیشین کا وقت ہے۔" یعنی اساس کا مرتبہ قائم کے پیدا ہوتے وقت ظاہر ہوگا۔

فصل (۸) اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ دینے کے بارے میں

رسُول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے روایت کی گئی ہے، جو مؤذن بلالؓ سے فرمایا:۔ " اِجْعَلْ بَیْنَ اَذَانِکَ وَاِقَامَتِکَ نَفَسًا لِیَفْرَغَ الْمُتَوَضِّئُ مِنْ وُضُوْئِہٖ وَالْاٰکِلُ مِنْ اَکْلِہٖ وَذُوالْحَاجَتِہٖ مِنْ حَاجَتِہٖ = تو اپنی اذان اور اقامت کے درمیان ذرا ٹھہر لیا کر، تاکہ طہارت لینے والا طہارت سے، کھانے والا کھانے سے اور حاجت والا حاجت سے فارغ ہو جائے"۔ جس کی تاویل یہ ہے، کہ داعی کو مستجیب پر (خاص باتیں ظاہر کرنے کے لئے) جلدی نہیں کرنی چاہیئے، تاکہ وہ تیار ہو کر (رُوحانی) حرم میں داخل ہو جائے، علم کا پانی پی لے اور اپنے نفس کو علم کے ذریعہ پاک کرے۔

فصل (۹)

فرقۂ امامیہ کا اِس بات پر مصر ہونا، کہ مُسافر کو نماز میں قصر (کمی) نہیں کرنا چاہیئے، مگر جب وہ حج یا جہاد کے راستے میں ہو

حج کرنے والا امام ڈھونڈھنے والے کی مثالی ہے، اور جہاد کرنے والا داعی کی مثال ہے، کیونکہ دعوت میں وہی جد وجہد کرتا ہے اہلِ ظاہر کے خلاف (علمی) جنگ کرتا رہتا ہے، اور رُوحانی طور پر لوگوں کو خُدا، رسُول، وصی، امام اور حُجّت کی طرف بُلاتا ہے، (چُنانچہ حج یا جہاد کے) مُسافر پر صرف بارہ رکعتوں میں قصر کرنا واجب ہوتا ہے، نہ کہ تمام نمازوں میں، یہ قصر نمازِ پیشین، نمازِ دیگر اور نمازِ خفتن میں ہُوا کرتا ہے، جن میں مجمُوعی طور پر بارہ رکعتیں ہیں، جو بارہ حُجّتوں کی دلیل ہیں، جن میں سے چھ حُجّتوں کے لئے مردانہ منزلت ہے، اور چھ کے لئے زنانہ منزلت ہے، اور مرد کی حدّ عورت کی حدّ سے برتر ہے، پس داعی پر، جو (رُوحانی) مجاہد ہے، یہ واجب ہُوا کہ وہ ان چھ زنانہ حدُود کو مومنوں پر ظاہر نہ کرے جن کی مثال ان بارہ رکعت نمازوں میں سے چھ رکعت چھوڑ دینے سے دی گئی ہے، جن کا ذکر کیا گیا۔

نیز نمازِ پیشین، نمازِ دیگر اور نمازِ خفتن، تینوں میں قصر کرنے اور صبح وشام کی نمازوں میں قصر نہ کرنے کے بارے میں ہم بیان کرتے ہیں، کہ

نماز صبح عقلِ کُلّ پر دلیل ہے، اور نماز شام نفسِ کُلّ پر دلیل ہے ان دونوں رُوحانی حدوں میں کوئی تقصیر و کمی واقع نہیں ہوتی ہے وہ اس سے برتر ہیں، کہ ان پر کوئی آزمائش و تکلیف آئے اور ان کی قوّت کا سلسلہ لوگوں سے ٹوٹ جائے، مگر ناطق، اساس اور امام اس تکلیف و آزمائش کے گھر (دُنیا) میں آئے ہوئے ہیں، لہٰذا ان کے کام میں (کبھی کبھی) کوئی کمی واقع ہو جاتی ہے، اور یہی حضرات ہیں، جو ایسے موقعے پر لوگوں سے دعوت روکی رکھتے ہیں، اور مذکورہ تین نمازیں ان تینوں جسمانی حدُود پر دلیل ہیں، اور ان نمازوں میں قصر کرنا، ان حدُود کی دعوت ہنگامی طور پر رُک جانے کی دلیل ہے۔

نیز ہم یہ بتا دیں گے، کہ صبح و شام کی نمازیں پانچ رکعت ہیں، اور ان دونوں نمازوں میں قصر نہیں کیا جاتا، جس کی تاویل یہ ہے، کہ جو دو حدِ اوّل و ثانی (یعنی عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کے نام سے) ہیں، وہ کمی و کوتاہی نہیں کرتے ہیں، اور پانچ حدُود یعنی ناطق، اساس، امام، باب اور حُجّت کو تائید بھیجنے سے وہ عاجز نہیں ہوتے، اور ان پر ان پانچ حدُود کا حال پوشیدہ نہیں، مگر بحالتِ سفر قصر ان تینوں نمازوں میں کیا جاتا ہے، جن میں مجموعاً بارہ رکعتیں ہیں، سفر دلیل ہے، ان تینوں حدُود سے تائید رُکنے پر، جن کی مثال مذکورہ تین نمازیں ہیں، اور ایسے موقعے پر ان بارہ حُجّتوں کو مادہ دینے میں ان سے کمی واقع ہوتی ہے، جن پر یہ بارہ رکعتیں دلیل ہیں، نماز حضر میں (جو حالت سفر نہ ہو) کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے،

(یعنی اس میں قصر نہیں) جس کی تاویل یہ ہے، کہ یہ تینوں جسمانی حدود یعنی ناطق، اساس اور مُتمِم (امام)، جبکہ تائید اِن کو مسلسل مل رہی ہو، جس کی مثال نماز حضر سے دی گئی ہے، بارہ جزائر کے بارہ حُجّتوں کو (نورانی) مادہ بھیجنے میں کوئی کمی نہیں کرتے ہیں۔

فصل (۱۰) —— بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں

ہم بیان کریں گے، کہ بیٹھ کر نماز وہ شخص پڑھتا ہے، جس میں کھڑا ہونے کی قوّت نہیں، یا وہ شخص جس کا امام یعنی پیش نماز کچھ بیمار ہو، جس سے وہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتا، اور بیٹھ کر نماز پڑھاتا ہے (تو یہ صُورت یعنی بیٹھ کر نماز پڑھانا) اس شخص پر دلیل ہے، جو اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے اس عالم میں دعوت قائم نہیں کر سکتا، پس اس پر واجب ہے، کہ پوشیدہ طور پر دعوت کرے، چُنانچہ جو شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھتا ہے۔

حکایت

روایت کی گئی ہے، کہ ایک دفعہ رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم گھوڑے سے گر گئے تھے اور ان کے دائیں پہلو کو صدمہ پہنچا تھا، اصحاب نے آنحضرت کے حضور میں آکر مزاج پُرسی کی، اور اُنہوں نے عرض کیا، کہ

نماز کا وقت ہو چکا ہے، تو رسول علیہ السلام اُٹھ بیٹھے، تاکہ ان کو نماز پڑھائیں، اور اصحاب ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے، رسول علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، اصحاب بیٹھ گئے، جب آنحضرت نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا :۔" قوم کا پیش نماز اس لئے ہوتا ہے، کہ وہ ان کے لئے پیشوا ہو جائے اور وہ (نماز میں) جب تکبیر کہتا ہے، تو وہ لوگ بھی تکبیر کہتے ہیں، جب وہ پڑھتا ہے، تو وہ سُنتے ہیں، جب وہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتا ہے تو وہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے ہیں، جب وہ سلام پھیر دیتا ہے، تو وہ بھی سلام پھیر دیتے ہیں، اور جب پیش نماز بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، تو اس کی قوم بھی بیٹھ کر ہی پڑھتی ہے۔

اِس قول کی تاویل یہ ہے کہ جب پیش نماز تکبیر کہے، یعنی جب وہ (حقیقی امام) خُدا کو بُزرگ سمجھے، تو ان کی قوم بھی اسی طرح اس کو بُزرگ سمجھے، اور جو فرمایا کہ جب پیش نماز پڑھتا ہے، تو وہ سُنتے ہیں، اس سے آنحضرت کی مُراد یہ ہے، کہ جب امام دین کے بارے میں کوئی بیان فرماتا ہے، تو ان کی قوم والے اُن کی پیروی کرتے ہیں، اور اُن کے ساتھ بحث نہیں کرتے، اور جو فرمایا، کہ جب پیش نماز سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتا ہے، تو اس کی قوم رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتی ہے، اس سے آنحضرت یہ فرمانا چاہتے ہیں، کہ جب امام کسی مومن کو حکمت سُناتے ہیں، تاکہ جس سے وہ اپنی موجودہ مرتبت

سے برتر ہو جاتے، تو اس کے لئے وہ اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا ہے، یعنی امام سے کہتا ہے، کہ الحمد آپ کی ہے، یعنی خُداوند کی پانچ تائیدیں آپ کو حاصل ہیں (جس سے عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، جدّ، فتح اور خیال کی تائید مُراد ہے) اور جو فرمایا، کہ جب پیش نماز سلام پھیرتا ہے، تو اس کی جماعت بھی سلام پھیرتی ہے، جس سے آنحضرت کی مُراد یہ ہے، کہ جب امام بموجب فرمانِ الٰہی اپنا مقام اپنے جانشین کے حوالے کر دیتے ہیں، تو تمام اہلِ دعوت کے لئے چاہیئے، کہ ان کے اِس فرمان کے لئے قبول اور تسلیم کریں، اور جو فرمایا، کہ جب پیش نماز بیٹھ کر نماز پڑھاتا ہے، تو اس کی قوم بھی بیٹھ کر ہی پڑھتی ہے، جس سے حضور یہ فرمانا چاہتے ہیں، کہ جب امام تقیّہ کے طور پر دعوت کریں، تو ان کی قوم والے بھی تقیّہ ہی کرتے ہیں، اور ظاہر (دعوت) نہیں کرتے ہیں۔

حکایت

روایت کی گئی ہے، کہ ایک دن رسُول مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نماز دیگر سے فارغ ہو کر قوم سے مخاطب ہوئے، اور فرمانے لگے، کہ تُم میں سے کون سا شخص تھا، جس نے میرے پیچھے (اس نماز میں) اُمّ الکتاب (یعنی الحمد) پڑھی؟ ایک شخص نے عرض کی، کہ (یا حضرت!) میں پڑھ رہا تھا، رسُول علیہ السّلام نے فرمایا، کہ تُم میں سے جو شخص میرے پیچھے اُمّ الکتاب پڑھے، تو گویا وہی شخص پیش نماز ہونا چاہتا ہے، اور ظاہر میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

(یعنی سورۂ فاتحہ) اُمّ الکتاب ہے، اور باطن میں مُرتضیٰ علیؑ اُمّ الکتاب ہیں، اِس لئے کہ دراصل ائمّہ ہی کتاب ہیں، اور رُوحانی تولید کے اعتبار سے اساسؑ ائمّہ کی ماں ہیں، اور ناطق علیہ السّلام ان کا باپ ہیں اور اس قول کی تاویل یہ ہے (جو رسُول علیہ السّلام نے اشارہ فرمایا) کہ میرے بعد میری قوم کے بہت سے لوگ (مرتبۂ) اساس کو حاصل کرنا چاہیں گے، مگر کوئی شخص (بجز اس کی اولاد کے) اس کے مقام پر نہ ٹھہر سکے گا۔

رسُول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حدیث ہے، جو فرمایا: "بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃ = میری قبر اور منبر کے درمیان بہشت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔" اور اس حدیث کی تاویل یہ ہے، کہ رسُول کی قبر ان کے وصی تھے، کیونکہ آنحضرت کی حکمتیں انہی میں پوشیدہ تھیں، اور آنحضرت کے منبر قائم قیامت علیہ افضل التّحیّۃ والسّلام ہیں کیونکہ دینِ حق انہی سے آشکار ہوگا، اِس سے رسُولؐ کی مُراد یہ ہے، کہ میرے اساس اور قائم قیامت علیہ افضل التّحیّۃ والسّلام کے درمیان، جو یہ دونوں میرے فرزند ہیں، بہشت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، اِس سے رسُول کی مُراد دعوتِ حق تھی، جس میں حکمت کے پھلوں سے لدے ہُوئے درخت اور حقیقت کے مہکتے ہُوئے پھُول موجُود ہیں۔

کلام - ۲۰

اُن تاویلات کے بارے میں، جو پنج وقتی نماز، اس کی رکعتوں کی تعداد اور اس کے اوقات میں ہیں

ہم خُدائے تعالیٰ کی توفیق سے بیان کر دیتے ہیں، کہ نماز پڑھنا، توحیدِ خُدا کی طرف دعوت کرنے اور خُدا کے اولیاء کے ساتھ مل جانے پر دلیل ہے، چُنانچہ نماز صبح دلیل ہے اوّل پر، اور اس کے پڑھنے کا وقت وہ بتایا گیا ہے، جس میں دن کی روشنی نظر آنے لگتی ہے، اس سے ناطق علیہ السّلام نے یہ ظاہر کر دیا، کہ سب سے پہلا نُور، جو امر باری سبحانہٗ سے پیدا ہُوا وہ اوّل تھا، جس کو قلم اور عقل کہتے ہیں۔

نماز صُبح چار رکعتوں پر مشتمل ہے، جن میں دو سُنّت رکعتیں فرضیہ سے پہلے آتی ہیں، اور وہ ناطق و اساس پر دلیل ہیں، کہ پہلے تو انہی کو پہچان لینا چاہیئے، تاکہ ان کی راہنمائی سے اوّل و ثانی (عقل و نفس) کو

پہچان لیا جاسکے، اور یہ نماز فریضہ و سُنت کی چار رکعتوں پر مبنی ہے، یہ اس بات پر دلیل ہے، کہ اصُول دین چار ہیں، ان میں سے دو رُوحانی ہیں، جیسے اوّل و ثانی اور دو جسمانی ہیں، جیسے ناطق و اساس، اور وہ سُنّت والی دو رکعتیں بھی وہی مرتبت رکھتی ہیں، جو دو فریضہ رکعتوں کی ہے، جس کے معنی یہ ہیں، کہ عالمِ جسمانی میں ناطق اور اساس کا بھی وہی مرتبہ ہے، جو مرتبہ عالمِ رُوحانی میں اوّل و ثانی کا ہے۔

سُنّت کی پہلی رکعت ناطق پر دلیل ہے، کیونکہ اس میں تین چیزیں پڑھی جاتی ہیں، خُدا کی حمد و ثنا، الحمد اور سورہ، جس کی تاویل یہ ہے، کہ ناطق کی رُوح کے تین مراتب ہیں، جیسے نبوّت، وصایت اور امامت، چُنانچہ حمد و ثنا پڑھنا مرتبۂ ناطق پر دلیل ہے، الحمد پڑھنا مرتبۂ اساس پر دلیل ہے، اور سُورہ پڑھنا مرتبۂ امام پر دلیل ہے، سُنّت کی دُوسری رکعت میں ثنا نہیں، مگر الحمد اور سورہ ہیں، جس کی تاویل یہ ہے، کہ اساس مرتبہ، نبوّت نہیں رکھتے، مگر ان کے دو مرتبے ہیں، ایک مرتبہ وصایت ہے، اور دُوسرا مرتبہ امامت، سُنّت کے بعد فرض کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، جن کے درمیان بیٹھنا نہیں، یہ اس حقیقت کی دلیل ہے، کہ عقلِ کُلّ اور باری سُبحانہ، کے درمیان کوئی واسطہ اور وسیلہ نہیں، نمازِ صبح کے فریضہ کی پہلی رکعت باری تعالیٰ کی وحدت پر دلیل ہے، جس سے تمام ہستیوں کی بُنیاد (یعنی عقلِ کُلّ) کو ہستی ملی، اور وہ خود (یعنی

وحدت) ہست نہیں تھی، اور ہستیاں تو اسی سے پیدا ہوئیں، یہی وجہ ہے، کہ پہلی رکعت میں حمد و ثنا، الحمد اور سورہ، تین چیزیں پڑھتے ہیں، دُوسری رکعت عقلِ کُلّ پر دلیل ہے، اور اس میں الحمد اور سورہ ہے، مگر حمد و ثنا نہیں، جس کے معنی یہ ہیں، کہ عقلِ کُلّ کی ہستی اپنے آپ سے نہیں بلکہ باری سُبحانہ، و تعالیٰ کی وحدت سے ہے، اور تمام موجُودات کے وجُود کی علّت (سبب) وہی (عقلِ کُلّ) ہے اور عقل کے تحت چار مراتب ہیں، جو دو مقامات پر عقل سے تائید حاصل کرتے ہیں، یہ چار مراتب نفسِ کُلّ، ناطق، اساس، اور قائم قیامت علیہ السّلام ہیں، ان دو مقامات میں سے ایک تو ترکیب و تالیف کا مقام ہے، جو نفسِ کُلّ اور ناطق کے لئے ہے، اور دُوسرا تاویل و تائید کا مقام ہے، جو اساس اور قائم علیہ السّلام کے لئے ہے۔

نمازِ صبح کی تاویل میں بندے کی طرف سے خُدائے تعالیٰ کا شکر ہے، کہ اس نے عقلِ کُلّ کے ابداع (یعنی مادّی ذرائع کے بغیر ایجاد) کر کے اس کو اپنے اور خلق کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بنایا، اور اس کے نُور سے لوگوں کو حِصّہ (یعنی عقلِ جزوی) دیا، جس کی بدولت لوگ جانوروں سے ممتاز ہُوئے اور اسی نُور کے ذریعہ سے اُنہوں نے توحید کی پہچان کر لی، اور اگر یہ نُور نہ ہوتا، تو کوئی شخص باری سُبحانہ، کی پہچان تک نہیں پہنچ سکتا، نہ وہ موشی سے ممتاز ہو سکتا، اور جب باری سُبحانہ، تعالیٰ نے ہمیں بواسطہ عقلِ کُلّ اپنے نُور سے بہرہ مند فرمایا، تو ہم پر

یہ واجب ہوتا ہے، کہ ہم اس وقت (یعنی نمازِ صبح میں)، جو اس عظیم ہستی یعنی قبلۂ نمازِ صبح پر دلیل ہے، باری سُبحانہٗ، وتعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

نمازِ شام نفسِ کُلّ کی مثال ہے، اور اس نماز کا وقت وہ ہے، جس میں سُورج مشرق سے نکل کر مغرب میں ڈُوب جاتا ہے، (اس وقت کے تعیّن سے) ناطق نے یہ ظاہر کر دیا، کہ توحید کا نور عقلِ کُلّ سے طلُوع ہو کر نفسِ کُلّ میں غرُوب ہُوا ہے، اس لئے کہ خُدا کے نوُر کا مشرق عقلِ کُلّ ہے، اور خُدا کے نوُر کا مغرب نفسِ کُلّ ہے، اور (خُدا کا نوُر اس رُوحانی مشرق و مغرب کا سُورج ہے، چُنانچہ) سُورج کی روشنی خُدا کی توحید پر دلیل ہے، نمازِ صُبح عقلِ کُلّ پر دلیل ہے، اور نمازِ شام نفسِ کُلّ پر دلیل ہے، نمازِ صبح میں دُو رکعتیں فرض ہیں، جو کلمۂ "کُن" اور عقلِ کُل پر دلیل ہیں، مگر نمازِ شام میں تین رکعتیں فرض ہیں، جو نفسِ کُلّ عقلِ کُل اور وحدتِ باری پر دلیل ہیں، اور یہ دونوں نمازیں، جو پانچ رکعتوں پر مشتمل ہیں، اس حقیقت پر دلیل ہیں، کہ اُن مراتب عالیہ سے پانچ حدُودِ جسمانی کو تائید ملتی رہتی ہے، جیسے ناطق، اساس، امام، حُجّت، اور قائم قیامت علیہ السّلام اور یہ دونوں نمازیں دن رات کے کناروں پر پڑھی جاتی ہیں، جس کی تاویل یہ ہے کہ اہلِ ظاہر اور اہلِ باطن کی انتہا و غایت یہی دو اصُول (عقلِ کُلّ و نفسِ کُلّ) ہیں کیونکہ یہاں دِن اہلِ ظاہر کی مثال ہے اور رات اہلِ باطن کی مثال ہے۔

نیز ہم یہ بیان کر دیں گے، کہ نمازِ صُبح کے فریضہ میں دو رکعتیں

ہیں، اور نمازِ شام کے فریضہ میں تین رکعتیں ہیں، اس میں ناطق نے یہ اشارہ رکھا، کہ ان دو فرشتوں (عقلِ کُلّ و نفسِ کُلّ) سے جس قدر نُور برستا ہے، اس کو اس جہاں میں پُوری طرح سے قبُول کرنے والے تین ہستیاں ہیں، جیسے جدّ، فتح اور خیال، جو نفسِ کُلّ کے تحت ہیں۔

نماز پیشین اور نمازِ دیگر ان دو مذکورہ نمازوں کے درمیان ہیں، مگر نماز خفتن اِن سے جُدا ہے، اور یہ دلیل ہے، ناطق اور اساس کے ایک وقت میں ہونے کی، اور امامِ زمان ان کے عصر گزر جانے کے بعد ہونے کی۔

نمازِ شام کی پہلی رکعت ناطق پر دلیل ہے، جس میں خُدا کی ثنا، الحمد اور سورہ ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ ناطق کی جان کو تین رُوحانی حدُود سے حِصّہ مل رہا ہے، وہ حدُود جدّ، فتح اور خیال ہیں۔

نمازِ شام کے فریضہ کی دُوسری رکعت اساس پر دلیل ہے، جس میں حمد و ثنا کے بغیر الحمد اور سورہ ہیں، چُنانچہ اساس کو مرتبۂ جدّ سے کوئی حِصّہ نہیں اور اس کی جان کو دو مراتب سے حِصّہ ملتا ہے، یعنی نُورِ فتح اور نُورِ خیال سے۔

اِن دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا ہے، اور یہ ظاہر و باطن کے دو حدّ یعنی ناطق و اساس پر دعوت کے قرار پانے (مکمّل ہونے) کی دلیل ہے۔

تیسری رکعت کا صرف ایک ہی مرتبہ ہے، یعنی اس میں صرف الحمد ہے، اور یہ امام پر دلیل ہے، کہ اس کی جان کو نورِ خیال ہی کے ایک مرتبے سے بہرہ مل رہا ہے، اور نمازِ شام تین رکعت ہے، دو رکعت اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے، اور ایک رکعت پست آواز سے پڑھنی چاہیئے، جس سے ناطق نے یہ ظاہر کر دیا، کہ میں نے اپنا مرتبہ ظاہر کر دیا، اور اساس کے مرتبے کے لئے وصیّت کی، مگر امام کے مرتبے کو ظاہر نہیں کیا، بلکہ اس کو دین کے دشمنوں سے پوشیدہ رکھّا۔

نمازِ شام کے فریضے کے بعد چھ رکعتیں سُنّت ہیں، جس کی تاویل یہ ہے، کہ نفسِ کُلّ نے اپنے تحت کے چھ ناطقوں کو تائید بھیجی، تاکہ یہ حضرات اس کے نور کو لوگوں تک پہنچا دیں، یہ چھ ناطق آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمّد مصطفیٰ علیہم السّلام ہیں۔

نمازِ شام کا وقت سورج کا غروب ہو چکنا، آسمان پر سُرخ شفق کا ہونا اور ستاروں کا ظاہر ہونا ہے، جس کی تاویل یہ ہے کہ جب ناطق (محمّد علیہ السّلام) نے اپنا دور ختم کر لیا، اور عقلِ کُلّ کی تائید، جو دین کا سورج ہے، ڈوب گئی تو نفسِ کُلّ کی تائید جس کی مثال ستاروں کی روشنی ہے، اساس کے ذریعہ جزائر کے داعیوں (لاحقوں) کی زبان سے لوگوں کے لئے ظاہر ہوگی۔

نمازِ شام بندے کی طرف سے خُدائے تعالیٰ کا شکر ہے، کہ اس

نے نفسِ کُلّی کے نُور سے لوگوں کو حصّہ دیا، اور لوگوں کے لئے وہ نُور "روحِ ناطقہ" ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعہ بات چیت کر سکیں، اور ہر اس چیز کے لئے کوئی نام اور کچھ صفتیں عبارت کریں، جو خود بخود ان کو نظر آتی ہے (یعنی اشیائے ظاہر کو ایک دُوسری سے تعبیر دیں) پس نماز شام کا قبلہ نفسِ کُلّی ہُوا، تاکہ لوگ خُدا کا شکر کریں، کہ اس نے نفسِ کُلّی پیدا کر کے اس کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ ٹھیرایا، اور اس سے لوگوں کو نُور پہنچا دیا، جس کی بدولت لوگ بولنے والے ہُوئے، اور اسی بولنے کی بدولت حیوانات سے ممتاز ہوئے۔

نماز پیشین ناطق پر دلیل ہے، اور اس کو پیشین اس لئے کہتے ہیں، کہ ناطق ہی وہ پہلا شخص تھے جنہوں کے عالمِ بالا سے نُور حاصل کر لیا، نیز وہ دین میں لوگوں کے لئے اس جہان کی طرف پیشرو تھے، اور یہ نماز بھی سب سے پہلی نماز تھی، جو آنحضرت علیہ السّلام نے پڑھی، اور پڑھنے کے لئے فرمایا، نیز آنحضرت علیہ السّلام نے خُدا کی توحید کی طرف (سب سے پہلے اِسی نماز کے ذریعہ عملی) دعوت کی تھی۔

اس نماز کو عربی میں ظہر کہتے ہیں، اس معنی میں کہ ناطق کی دعوت ظاہر میں ہُوا کرتی ہے، جو شریعت ہے۔

اِس نماز کا پہلا وقت اُن چھ گھنٹوں کے بعد ہے، جو سُورج کے وقتِ طلوع سے گزر جاتے ہیں، جس کی تاویل یہ ہے، کہ آنحضرت علیہ السلام کے دُنیا میں آنے کا وقت دورِ عیسٰی کے چھ اماموں کے گزر

جانے کے بعد تھا، کہ وہ اپنے دَور کا سُورج تھا۔

اِس نماز کا آخری وقت وہ ہوتا ہے، جس میں ہر چیز کا سایہ اس چیز کے برابر ہو جاتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ جب دَورِ عیسیٰ علیہ السّلام کے لاحقوں میں سے ہر ایک حدّ کو اپنے حِصّے کی تائید چھ اماموں سے مل چکی، اور تاویل و توحید کے ذریعے ظاہر و باطن برابر ہُوا، تو دُوسرے ناطق کا پیدا ہونا واجب ہُوا۔

اِس نماز کے فریضے میں چار رکعتیں ہیں، جس میں ناطق کا یہ اشارہ ہے، کہ مَیں تُم کو ان دو فرشتوں کی طرف دعوت کرنے والا ہُوں، جن کا میں تیسرا ہوں، اور اساس ہمارا چوتھا ہے۔

اس کے فریضے کی پہلی دو رکعتیں ناطق و اساس کی دلیل ہیں، اور پہلے ان دو رکعتوں کو پڑھنا چاہیئے، جس سے ناطق نے یہ ظاہر کیا، کہ جب تک لوگ مجھ کو اور اساس کو نہ اپنا لیں، تو عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کی پہچان تک رسا ہو نہیں سکتے ہیں۔

پہلی رکعت میں ثناء، الحمد اور سورہ ہیں، یہ تین انوار کی دلیل ہیں، جو جدّ، فتح اور خیال سے ناطق کی رُوح کے ساتھ متصل ہُوئے ہیں۔

دُوسری رکعت میں ثناء نہیں اور الحمد و سورہ ہیں، یہ دو انوار کی دلیل ہے، جو اساس کی جان کے ساتھ متصل ہیں، ایک نُور فتح سے اور دُوسرا خیال سے۔

اس کے بعد تشہّد کے لئے بیٹھنا ہے، جو نماز پڑھنے والے کی طرف اشارہ ہے، جس نے گواہی دینی ہے، کہ یہ دو رُوحانی حدود جو عالمِ روحانی میں ہیں مذکورہ دو حدود (ناطق و اساس) کے برابر ہیں۔

پھر اُٹھ کر دُوسری رکعتوں کا پڑھنا ہے، جن میں صرف الحمد ہی ہے، جس میں ناطق کا یہ اشارہ ہے، کہ میں اور اساس الحمد اور سورہ کی مثال پر جسم و رُوح کی طرح ہیں، کیونکہ الحمد رُوح ہے، اور سورہ جسم ہے، اور عقلِ کُلّ و نفسِ کُلّ رُوحانی ہیں، جن کو جسمانی تصوّر کرنا کُفر ہے، اِسی سبب سے ان دو رکعتوں میں تنہا الحمد پڑھی جاتی ہے، جو ان دو رُوحانی حدُود پر دلیل ہیں۔

اس نماز میں سُنّت کی چھ رکعتیں فریضے کی چار رکعتوں سے پہلے ہیں جس کی تاویل یہ ہے، کہ مُحمّد علیہ السّلام ناطقوں میں چھٹے تھے، نیز یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد چھ امام گزر گئے تھے۔

نمازِ پیشین کے فریضے کے بعد سُنّت کی چار رکعتیں ان چار اشخاص پر دلیل ہیں، جن کی فرمانبرداری ناطق کی فرمانبرداری کے بعد مومنوں پر واجب ہے، اور وہ اساس، امام، حُجّت اور داعی ہیں۔

نمازِ پیشین بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لئے اس بات کا شکر ہے کہ اس نے ناطق بھیجا، تاکہ آنحضرت لوگوں کو دُوسرے جہان کے احوال سے آگاہ کر لیا کریں تاکہ اِس ناطق کے ذریعہ لوگوں کو یہ راستہ

پیدا ہو سکے، کہ ہمارا کوئی خالق ہے، یکتا، بے شریک، پاک اور برتر، اگر ناطق نہ ہوتے تو لوگوں کو ان کی اس حالت سے کون آگاہ کر سکتا، جس میں وہ پہلے تھے نہ لوگ خود اپنی حالت کو سمجھ سکتے، اور انسانوں کی طبیعت علم و دانش سے محروم رہ جاتی، پس نماز پیشین کے قبلہ ناطق ہیں۔

نمازِ دیگر اساس پر دلیل ہے، اور اس کو نمازِ دیگر اس لئے کہتے ہیں کہ اساس ناطق سے دُوسرے (دیگر) شخص ہیں، جو ناطق کے بعد دینی کام کے لئے قائم ہوئے۔

اس نماز کا پہلا وقت وہ ہے جس میں ہر چیز کا سایہ اس چیز سے دُگنا ہو جاتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ اساس ہی کی بدولت مومن کے لئے ظاہر و باطن یکساں ہو جاتے ہیں، کیونکہ مومن کی حکمت اِس کے علم کے ساتھ ایک ہو جاتی ہے، اب مومن علمی طور پر اتنا اور بڑھ جاتا ہے، جتنا، کہ وہ اس سے پہلے یعنی بغیر باطن کے ظاہر جانتے وقت تھا۔

اس نماز کا آخری وقت وہ ہے، جس میں سُورج زرد نظر آتا ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ جب ناطق کے ظاہر (شریعت وغیرہ) میں کمزوری آجائے تو وہ اساس کے دَور کا آخری کام ہوگا، اور یہی وقت قائمِ حق پیدا ہونے کا ہے، کیونکہ سُورج ناطق کے ظاہر کی مثال ہے۔

سُنت کی چار رکعتیں فریضے سے پہلے ہونا اس بات کی دلیل ہیں، کہ لوگوں کو اساس کا بُلانا گزشتہ ادوار میں چار اصُول دین کی طرف تھا۔

نمازِ دیگر کے فریضے میں بھی چار رکعتیں ہیں، یعنی اساس کی دعوت

بھی ان چار اصُولِ دین کی طرف ہے، جن کی طرف ناطق کی دعوت تھی۔

پہلی دو رکعتیں الحمد اور سورے کے ساتھ ہیں، اور پہلی دو رکعتیں ناطق و اساس پر دلیل ہیں، کیونکہ وہ الحمد اور سورے کی مثال پر جسم اور رُوح ہیں۔

آخری دُو رکعتوں میں تنہا الحمد ہی ہے، جو عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ پر دلیل ہے، کیونکہ وہ رُوحانی ہیں۔

نماز دیگر کے بعد کوئی سُنّت نہیں، یعنی اساس کی تاویل کی تاویل نہیں، بلکہ وہ خود مکمّل حقیقت ہے۔

نماز دیگر بندے کی طرف سے خُدائے تعالیٰ کا شکر ہے، کہ وہ بے مثال ہے، اِس لئے کہ اس نے اساس کو پیدا کیا ہے، جنہوں نے مومنوں کو ناطق کی تنزیل کی تاویل بتائی، کہ اگر اساس نہ ہوتے تو کون ہمیں تاویل بتا سکتا دران صُورت کوئی شخص دین کی حقیقت تک رسا نہیں ہو سکتا جس طرح مُوسیٰ کی اُمت کے یہُود و آتش پرست، اور ابراہیم کی اُمت کے آتش پرست تھے، اور جب (اساس نہ ماننے کا حال یہ ہے، کہ) بہتّر گروہ ایک ایسے قول پر ہیں، کہ اُنہوں نے ظاہر ہی کو لیا ہے، اور صرف اسی کو قبول کرتے ہیں، اور اس کی تاویل نہیں اپناتے، اور کورانہ حالت میں گھُومتے ہیں، تو مومنوں پر فرض ہے خُدا کا شکر کرنا، کہ اس نے ناطق کو امر کیا ہے، جس سے اُنہوں نے اساس کو قائم کر دیا، جن کی

تاویل کے ذریعہ ان مومنوں نے رُوحانی اور جسمانی حدُود کو پہچان لیا، جو اپنے اعضاء سے فریضہ اور سُنّت کو گزارتے ہیں اور اپنے دل سے ان حدُود کو پہچان لیتے ہیں، جن کی مثال ہر نماز سے دی گئی ہے، کیونکہ تائید (دینی امداد) جسم کے ذریعہ بھی دی جا سکتی ہے، اور رُوح کے ذریعہ بھی۔

نماز دیگر کو وُسطیٰ کہتے ہیں، یعنی کہ یہ نماز ان پانچوں نمازوں کے درمیان ہے، جو دن رات کی مُدّت میں لوگوں پر فرض ہُوا کرتی ہیں، چُنانچہ نماز صبح اور نماز پیشین اس سے پہلے ہیں، اور نماز شام اور نماز خفتن اس کے بعد ہیں، اور یہ نماز ان کے وسط (درمیان) میں ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ اساس کو ناطق سے تعلیم اور نفسِ کُلّ سے تائید ملتی ہے، جس طرح یہ نماز، نماز پیشین اور نمازِ شام کے درمیان ہے، نمازِ پیشین ناطق کی دلیل ہے، اور نماز شام نفسِ کل کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کی محافظت کرنے کے لئے فرمایا ہے، خصُوصاً نماز دیگر کی، قولہٗ تعالیٰ :-

"حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۲/۲۳۸

محافظت کرو (عموماً) سب نمازوں کی، اور (خصُوصاً) درمیان والی نماز کی۔" اس وصیّت کے بموجب جو خُدائے تعالیٰ فرماتا ہے، نماز دیگر کی محافظت کرنی لازمی ہے، کیونکہ کسی کام کے متعلق وصیّت قبول کی جانے کی شرط یہ ہے، کہ تم اسے بلا تاخیر کرلو، اور اس نماز کا بلا تاخیر پڑھنا

یہ ہے، کہ جب سُورج کا وقت وہ ہو جس میں تُم نے نماز پیشین پڑھ چُکی ہے (تب نماز دیگر پڑھنی چاہیئے) اور ایسی بروقت نماز، نمازِ پیشین کی طرف زیادہ نزدیک ہونی چاہیئے، بہ نسبت اس کے کہ تُم سُورج ڈوبتے وقت نماز دیگر پڑھو، اس قول کی تاویل یہ ہے، کہ اساس کی تعلیم ناطق سے تھی، اور تائید نفسِ کُلّ سے، لیکن اساس ناطق کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے تھے، اِس لئے کہ وہ بھی اُنہی کی طرح جسمانی تھے، پس نمازِ دیگر جو اساس پر دلیل ہے، نمازِ شام کے بہ نسبت نمازِ پیشین کی طرف زیادہ نزدیک ہونی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ یہ جو فرماتا ہے، کہ محافظت کرو (عمُوماً) سب نمازوں کی، اور (خصُوصاً) درمیان والی نماز کی، اس سے اللہ کی مُراد یہ ہے، کہ اُن پانچ حدُود کی فرمانبرداری کرو، جن پر پانچ نمازیں دلیل ہیں، خصُوصاً اساس کی فرمانبرداری کرو، کیونکہ تمام حدُود کو تُم اُنہی کی تاویل کے ذریعے پہچان سکو گے، پس اسی وجہ سے اساس نمازِ دیگر کے قبلہ ہُوئے، تاکہ خُدا کا شکر کیا جائے، نیز رسُول صلّی اللہ علیہ آلہٖ وسلّم سے حدیث آئی ہے:۔

"مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ وُتِرَ اَهْلَهُ وَمَالُهُ = جس کی نمازِ دیگر فوت ہُوئی ہو، ایسا ہے، کہ اس کے اہل اور مال فوت (ضائع) ہو چُکا ہے۔" اہل کی تاویل داعی ہے،

اور مال کی تاویل عِلم ہے، یعنی جو شخص اساس کے ساتھ وابستہ نہ ہو جائے، تو وہ نہ عِلم حاصل کر سکتا ہے اور نہ دعوت۔

نمازِ خفتن مرتبۂ امام پر دلیل ہے، اور اس کو نماز خفتن اس لئے کہتے ہیں، کہ مومنوں کے سوا سب لوگ سوئے ہوئے ہیں، یعنی امامِ زمان کو نہیں پہچانتے ہیں۔

اس نماز کا پہلا وقت وہ ہے، جس میں رات کے دو گھنٹے گزر جاتے ہیں، اور رات دعوت کی مثال ہے، اور دو گھنٹے ناطق اور اساس پر دلیل ہیں، اِس کی پُوری تاویل یہ ہے، کہ امام کا مرتبہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب کہ ناطق اور اساس کا دَور گزر جائے۔

اس نماز کا آخری وقت وہ ہے، جس میں تقریباً آدھی رات گزری ہو، عربی میں اس وقت کو منتصف اللّیل کہتے ہیں، یعنی مِتم (امام) کی آخری حدّ وہ ہوتی ہے، جس میں وہ اہلِ باطن کو اہلِ ظاہر سے اپنا حق دلا سکتا ہے، یعنی ان کے لئے اِنصاف کر سکتا ہے۔

نمازِ خفتن رات کی تاریکی میں پڑھی جاتی ہے، جو دین کے دشمنوں سے (امام کے اسرار) پوشیدہ رکھنے کی دلیل ہے۔

نمازِ خفتن کا فریضہ چار رکعت کا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ امام کی دعوت بھی ان چار اصُولِ دین کی طرف ہے، جن کی طرف ناطق اور اساس کی دعوت ہوتی ہے، نمازِ خفتن کے فریضہ میں سے

پہلی دو رکعتیں ناطق اور اساس پر دلیل ہیں، اور دُوسری دو رکعتیں عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ پر دلیل ہیں۔

فریضہ سے پہلے بھی سُنّت کی چار رکعتیں ہیں، اور فریضہ کے بعد بھی سُنّت کی چار رکعتیں ہیں، اور فریضہ ان چار چار سُنّتوں کے درمیان ہے، جس میں ناطق کی طرف سے یہ اشارہ ہے، کہ امام کی دعوت تین قسم کی ہُوا کرتی ہے ایک یہ کہ خود اس کے زمانے میں چار اصُول کی طرف دعوت ہوتی ہے، جس کی مثال فریضہ کی چار رکعتوں سے دی گئی ہے، اور اس سے پہلے بھی چار اصُول کی طرف دعوت کی گئی ہے، سُنّت کی ان چار رکعتوں کی مثال پر جو فریضہ سے پہلے آتی ہیں، اور اس کے بعد بھی چار اصُول ہی کی طرف دعوت ہُوا کرتی ہے جس طرح فریضہ کے بعد سُنّت کی چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، پس بیان یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے، کہ اس زمانے میں چار اصُول کی طرف دعوت ہے، اور نماز خفتن کے فریضہ کو اس اعتقاد سے پڑھے کہ اس سے پہلے بھی دعوت چار اصُول کی طرف تھی، اور اس کے بعد بھی دعوت چار اصُول کی طرف ہوگی۔

نمازِ پیشین، نمازِ دیگر اور نمازِ خفتن کے فریضے ملاکر بارہ رکعت ہیں جو اس بات پر دلیل ہے، کہ ان تینوں مُؤیّدین سے بارہ حُجّتوں کو مادّۂ تائید ملتا رہتا ہے۔

نمازِ خفتن کے بعد وتر پڑھی جاتی ہے، اور وتر قائمِ قیامت علیہ

افضل التحیّۃ والسّلام پر دلیل ہے، اور یہ نماز دن رات کی تمام نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہے، جس کی تاویل یہ ہے، کہ لوگ قیامت کے دن اُن تمام حدُود سے یکسُو ہو جائیں گے، جو عالمِ جسمانی میں ہیں، سوائے صاحبِ قیامت کے شرف کے، اور قیامت کے دن مومنوں کو (اسی دُنیا ہی سے شروع کر کے) عزّت و بزُرگی ملے گی، اور کافروں پر تاوان ہوگا، (عذاب اُترے گا)

شفع وتر کے ساتھ یعنی جفت طاق کے ساتھ تین رکعت ہے، اس کے معنی یہ ہیں، کہ قائمِ قیامت کے تین مراتب ہیں، پہلا مرتبہ نبوّت دُوسرا مرتبہ وصایت اور تیسرا مرتبہ قیامت، اور اس میں جو دو رکعتیں جُدا پڑھی جاتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ قائم کو ایک ایسا مرتبہ بھی حاصل ہے جو ناطق اور اساس کو نہ تھا، اسی لئے (آنحضرت نے) اس ایک رکعت کو ان دو رکعتوں سے جُدا پڑھنے کے لئے فرمایا۔

قنوت سے پہلے رکوع ہونے کے یہ معنی ہیں، کہ قائم سے پہلے ان کا حُجّت اس عالم میں آئے گا (اس اصُول کے برعکس کہ ہر امام کا حُجّت اس کے بعد پیدا ہُوا کرتا ہے، یعنی ہر امام کا بیٹا ہی اس کا سب سے بڑا حُجّت ہوتا ہے مگر حضرت قائم کی طرف سے ان کے والد ہی سب سے بڑے حُجّت ہوں گے) اور وہی لیلۃ القدر ہوں گے (جس کا نمایاں ذکر سورۃ قدر ۹۷ میں ہے)۔

قُنوت رکوع کے بعد ہے، اِس لئے کہ قائم علیہ السّلام، اساس کی اولاد سے ہوں گے، کیونکہ رکوع کے آخری معنی اساس کے ہیں (یعنی مولانا علی علیہ السّلام)

دائیں طرف سلام پھیرنا اس بات کی دلیل ہے مَیں نے علی ابنِ ابیطالب اور اس کے فرزندوں (ائمّہ) برحق کو مان لیا، اور خُدا کے حضور سے اُنہوں نے جو تاویل لائی اس کو میں نے تسلیم کر لیا، اور بائیں طرف سلام پھیرنا اس بات کی دلیل ہے، کہ ناطق کے لئے اور اس کی شریعت کے ظاہری بیان کے لئے مَیں نے قبول کر لیا،

وِتر کے بعد بیٹھ کر دو۲ رکعت نماز کا پڑھنا عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ پر دلیل ہے، جن کا شرف لوگوں سے منقطع نہ ہوگا، اِس جہان میں لوگوں کو اُن سے عقل آتی ہے، اور دُوسرے جہان میں مومنوں کے لئے بزرگی اور بہتری ہے، اور کافروں کے لئے عذاب اور سزا ہے۔

دِن رات کی مقدّرہ اِکیاون رکعتوں کی تکمیل کے لئے اُن دو۲ رکعتوں کو ایک رکعت شمار کرتے ہیں، جو بیٹھ کر پڑھی جاتی ہیں، اور وہ دونوں رکعتیں ایک رکعت گِنی جاتی ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ قائم قیامت دو رُوحانیوں (عقلِ کُلّ و نفسِ کُلّ) سے ایسے ملے ہُوئے ہیں کہ اِن کے درمیان کوئی جُدائی نہیں، اور قائم ہی کی وجہ سے نفسِ کُلّ مکمّل ہوگا، یعنی وہ عقلِ کُلّ کے مرتبے پر پہنچے گا، اور یہ واقعہ

عالمی حرکات رُک جانے اور عالمِ جسمانی فنا ہونے کا سبب بنے گا۔

وِتر سُنّت ہے، جو بجائے فریضے کے ہے، جو تمام نمازوں کے اخیر میں ہے، یعنی قائمِ قیامت علیہ السّلام تمام حدُود کی انتہاو انجام ہیں، جو شخص وتر کو ترک کر دے، وہ کافر ہو جاتا ہے، اِس لئے کہ وہ فریضے کی طرح ہے، اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:۔ "تَارِكُ الْفَرِيْضَةِ كَافِرٌ وَ تَارِكُ سُنَّتِيْ مَلْعُوْنٌ۔ فریضہ کا ترک کر دینے والا کافر ہے، اور میری سُنّت کا ترک کر دینے والا ملعون ہے۔"

پانچ وقت نماز میں مجمُوعاً سترہ رکعتیں فرض ہیں، یہ ان سترہ حدُود کی دلیل ہیں جو خُدا کی اطاعت و معرفت کی حیثیت سے ہیں، جیسے پانچ رُوحانی حدُود، ناطق، اساس، سات ائمہؑ برحق، خلیفہؑ قائم حُجّت اور داعی۔

دُوسری وجہ سے نمازِ فریضہ کی سترہ رکعتیں، اساس، امام، بارہ حُجّت داعی اور دونوں ماذون پر دلیل ہیں، کیونکہ یہ حدُود تو ہر زمانے میں موجُود ہیں، (یعنی حدُود جسمانی نوُرانی اجسام میں موجُود ہیں) اور جو شخص ان حدُود کی فرمانبرداری سے ہاتھ اُٹھاتے تو وہ خُدا کی فرمانبرداری سے ہاتھ اُٹھاتا ہے، اور ایسا شخص کافر ہوتا ہے۔

سُنّت کی تیس رکعتیں ان تیس داعیوں پر دلیل ہیں، جو ہر

حُجّت کے تحت اس کے جزیرے میں ہُوا کرتے ہیں، جو سال کے ہر مہینے کے تیس دنوں کے برابر ہیں، اور یہ لوگ امام کی سُنّت (یعنی سال) ہیں۔

جو شخص سُنّت سے ہاتھ اُٹھائے، تو ملعون اور راندہ ہو جاتا ہے، یعنی جو شخص داعی کی فرمانبرداری نہ کرے، تو وہ علم حقیقت سے دُور رہا ہوگا۔

وتر کی تین رکعتیں ہیں، جن کی تاویل بتائی گئی، بیٹھ کر پڑھی جانے والی دو رکعتوں کے ساتھ، کہ ان کو بھی وتر کہا جاتا ہے، تاکہ مجموعاً اکیاون رکعتیں ہو جائیں، اور اکیاون تین دفعہ سترہ ہوتا ہے، یعنی مجموعی حساب سے فریضہ کی ہر ایک رکعت کے مقابلہ میں سُنّت اور تطوّع کی دو دو رکعتیں آتی ہیں، جس طرح میراث میں ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر شمار کرتے ہیں، اور رات کی نماز بارہ رکعت ہے، جس کو چھ سلام کے ساتھ پڑھنی چاہیئے، اور وہ (کوئی مومن) اس وقت پڑھتا ہے، جبکہ نیند سے اُٹھتا ہے، اور سارے لوگ سوتے ہُوئے ہوتے ہیں، اور یہ بارہ حُجّتوں پر دلیل ہے کہ وہ دعوت سے کبھی آرام نہیں کرتے ہیں، جبکہ لوگ آرام کئے ہُوئے ہوتے ہیں، اور ظالموں کے زمانے کی تاریکی میں عاجز ہوتے ہیں، مگر بارہ حُجّت خُدا تعالیٰ کے کام میں کھڑے رہتے ہیں، اور رات پوشیدگی میں دعوت کرنے کی دلیل ہے۔

رات کی نماز میں سورہ کو لمبا اور آہستہ پڑھتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں، کہ ستر کے وقت خُدا تعالیٰ کی طاعت زیادہ مسلسل ہونی چاہیئے،

تاکہ قبول ہو سکے اور وہ ساری نمازیں جو مخلص مومنین دن رات میں پڑھا کرتے ہیں، تریسٹھ رکعات پر مشتمل ہیں، جن کا ذکر کیا گیا، جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عمر کے سالوں کے برابر ہیں، اور اللہ تعالیٰ اِس بیان کو مومنین کے لئے فائدہ بخش کر دے! والسّلام۔

بانجام رسید کتاب "وجہ دین"، حِصّہ اوّل

تفہیم نور

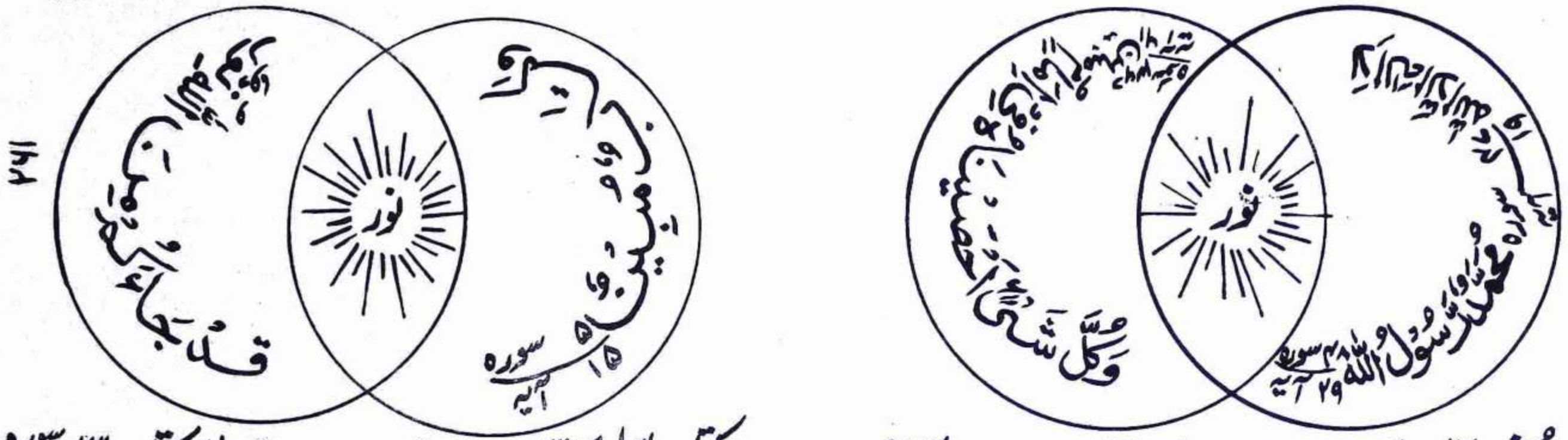

نور اللہ سورہ ۲۴ آیہ ۳۵

محمدؐ سورہ ۶۴ آیہ ۸ — علی امام زمانؑ سورہ ۳ آیہ ۴

منذر سورہ ۱۳ آیہ ۷ و ہاد سورہ ۱۳ آیہ ۷

رسول و وزیر (حدیث)

حبل اللہ سورہ ۳ آیہ ۱۰۳

قرآن سورہ ۴۲ آیہ ۵۲ — امام زمان سورہ ۲ آیہ ۱۲۴

کتاب سماوی سورہ ۱۳ آیہ ۴۳ و ترجمان کتاب سورہ ۱۳ آیہ ۴۳

ثقلین (حدیث)

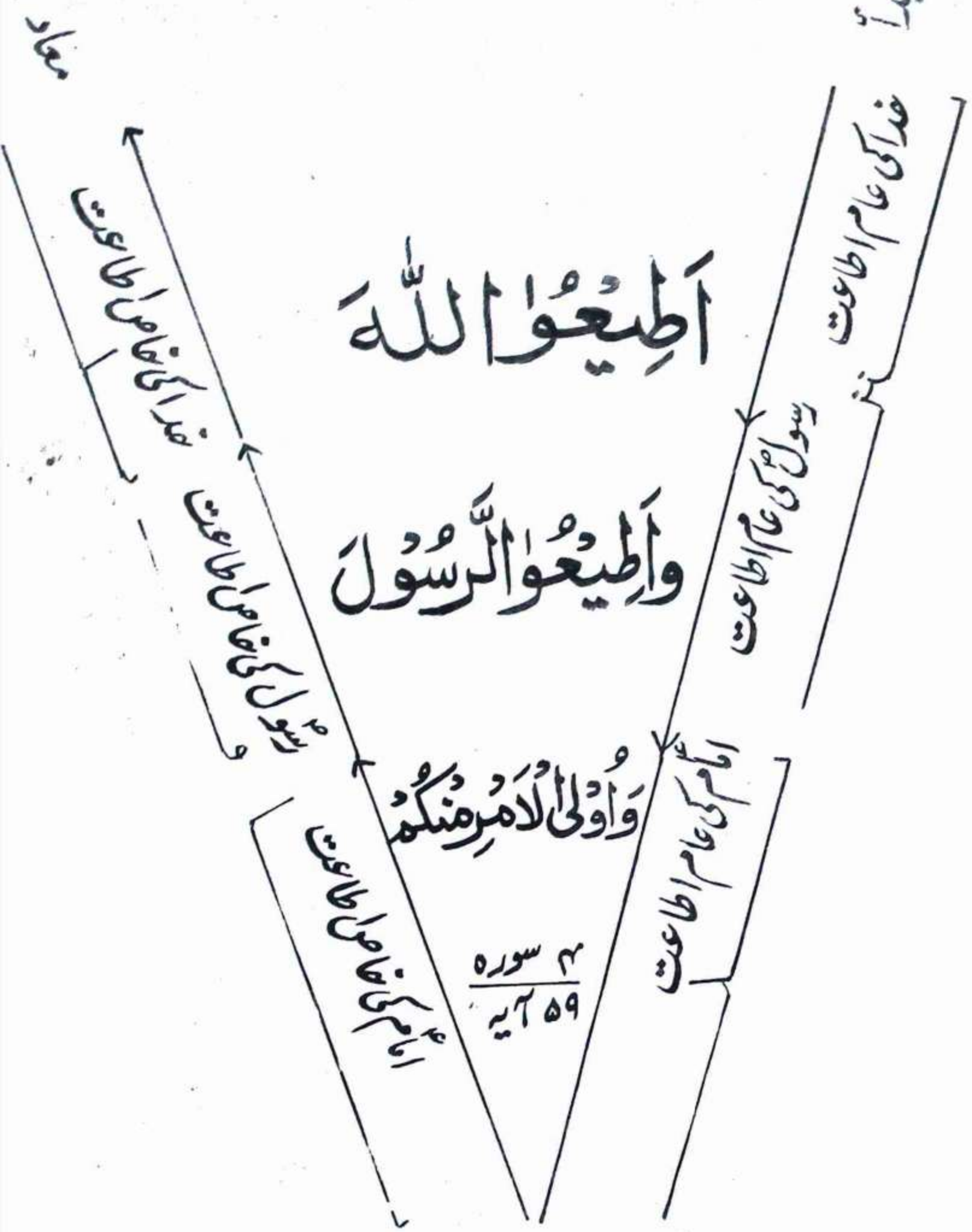

2589

مدارجِ اطاعت

ادارۂ خانۂ حکمت